مجلس ادارت

معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ اسی روپیے　فی شمارہ سات روپیے

پاکستان میں سالانہ دو سو روپیے

دیگر ممالک میں سالانہ　ہوائی ڈاک بیس پونڈ یا بتیس ڈالر

بحری ڈاک سات پونڈ یا گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحییٰ شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس۔ ایم۔ کالج۔ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

- سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں،

DARULMUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
AZAMGARH

- رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اگر کسی مہینے کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافہ کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔ کمیشن ۲۵٪ ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہیے۔

فہرست

مضمون نگاران معارف

۱۶۳ ویں جلد

ماہ جنوری ۱۹۹۹ء تا ماہ جون ۱۹۹۹ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

نمبر شمار	مضمون نگار	صفحات
۱	جناب ابوالبیان حماد صاحب۔ جامعہ دار السلام عمر آباد	۱۵۵
۲	مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی، ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔	۷۱
۳	جناب اقبال احمد خاں صاحب، یتیم خانہ اسلامیہ گیا۔ جہرکی۔ بہار	۳۹۱
۴	پروفیسر اکبر رحمانی صاحب مدیر اعلیٰ ماہنامہ آموزگار۔ جلگاؤں۔	۱۱۸-۳۲۵
۵	جناب جمشید احمد ندوی۔ ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔	۲۹۷-۳۷۵
۶	مولانا ڈاکٹر حبیب ریحان خاں ندوی ازہری، معتمد تعلیم دار العلوم تاج المساجد، بھوپال۔	۵
۷	ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔	۷۵
۸	جناب ریاض الرحمن خاں شروانی حبیب منزل علی گڑھ	۲۳۲
۹	ڈاکٹر زرینہ خاں شعبۂ فارسی علی گڑھ	۲۳
۱۰	ڈاکٹر شاہ عبدالسلام صاحب	۱۳۹-۳۱۷
۱۱	ضیاء الدین اصلاحی	۴-۸۲-۱۵۲ ۱۶۲-۲۳۴ ۲۴۴-۳۲۲ ۴۰۲
۱۲	عبدالحق فلاحی	۲۳۳
۱۳	جناب عبیداللہ ایم۔ اے۔ کتبخانہ مدرسہ محمدی۔ مدراس	۴۰
۱۴	جناب عزیزی آفاقی۔ اندرا نگر، لکھنؤ	۷۵
۱۵	جناب عزیزی خیرآبادی۔ تکیہ پور۔ کھیری	۷۴

فہرست

مضامین معارف

۱۶۳ویں جلد

ماہ جنوری ۱۹۹۹ء تا ماہ جون ۱۹۹۹ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

نمبر شمار	مضمون	صفحات	نمبر شمار	مضمون	صفحات
۱	شذرات	۲-۳-۸۲ ۱۶۲-۲۴۲ ۳۲۲-۴۰۲	۸	حضرت مخدوم عبدالحق ساداتی القادری البیجاپوری	۳۰
	مقالات		۹	خلافت ارض کے لئے علم کیمیا اور طبیعیات کی اہمیت۔ جدید مشرقی علوم کا ایک تعارف	۸۵-۱۶۵
۱	ابن خلدون کی تاریخ وجغرافیائی نگارشات پر ایک نظر	۵۲			
۲	اردو کی حمدیہ شاعری کا جائزہ	۱۹۹-۲۸۵ ۳۶۳	۱۰	سہسوان کے تاریخی آثار	۳۵۰
۳	اردو کے صوتی امتیازات	۱۳۴	۱۱	شعر وادب میں نمرود کی تلمیح	۶۶
۴	الانتقاد علی التمدن الاسلامی	۳۴۶	۱۲	عالم اسلام کی سب سے عظیم اور قدیم یونیورسٹی جامع ازہر کا علمی و دینی و سیاسی ماضی و حال	۵
۵	پدمنی اور علاء الدین خلجی کا قصہ	۳۲۵			
۶	تذکرۃ الواقعات	۲۳			
۷	حضرت بابا تاج الدین ناگپوری	۱۱۸	۱۳	عیون الانباء فی طبقات الاطباء	۱۰۳-۱۶۵ ۲۷۰
	علامہ اقبال اور شاد کی عقیدت		۱۴	قرآنی محاورات اور استعارات	۲۴۵-۳۲۵ ۴۰۵

نمبر شمار	مضمون نگار	صفحات	نمبر شمار	مضمون نگار	صفحات
۱۶	حافظ عمیر الصدیق دریابادی ندوی رفیق دارالمصنفین۔	۷۷-۱۵۰ ۲۳۷-۳۱۸ ۲۸۶-۳۹۳ ۴۶۷-۴۷۰ ۴۷۹	۲۴	مولوی محمد عارف عمری۔ رفیق دارالمصنفین۔	۳۴۶-۴۰۰ ۳۴۳-۴۰۵
۱۷	کلیم صفات اصلاحی۔ دارالمصنفین	۲۱۳	۲۵	ڈاکٹر محمد عبدالحفیظ صدیقی سابق صدر شعبۂ جغرافیہ، نیشنل ڈیفنس اکیڈمی۔ پونے۔	۵۲
۱۸	جناب گلزار احمد صاحب۔ البدر اکیڈمی جہلم۔ پاکستان	۷۲			
۱۹	ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب صاحب پھول والان، بریلی	۳۵۰	۲۶	پروفیسر محمد طفیل ہاشمی صاحب۔ اقبال اوپن یونیورسٹی۔ پاکستان	۱۰۳-۱۸۷ ۲۷۰
۲۰	جناب محمد اسمٰعیل آزاد صاحب	۲۱۳-۲۸۵ ۳۶۴	۲۷	جناب مسعود احمد برکاتی، ہمدرد فاؤنڈیشن۔ پاکستان	۷۱
۲۱	جناب محمد بدیع الزماں صاحب، ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ، پھلواری شریف، پٹنہ۔	۵۹-۱۵۲	۲۸	جناب حافظ منیر احمد خاں صاحب عراقی یونیورسٹی۔ حیدرآباد (سندھ)	۲۴۵-۳۲۵ ۴۰۵
۲۲	ڈاکٹر محمد حسین فطرت صاحب۔ شوکت علی روڈ، بھٹکل۔	۱۵۶	۲۹	پروفیسر تقی حسین جعفری۔ نئی دہلی	۶۶
۲۳	مولانا محمد شہاب الدین ندوی صاحب ناظم فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور۔	۸۵-۱۶۵	۳۰	جناب وارث ریاضی صاحب۔ مغربی چمپارن۔ بہار	۷۷

نمبر شمار	مضمون	صفحات	نمبر شمار	مضمون	صفحات
۱۵	گوشوارہ کلیات اقبال	۵۹		باب التقریظ والانتقاد	
۱۶	ماہنامہ معارف کے اشاریے	۲۹۰-۳۰۵	۱	رسالوں کے خاص نمبر	۲۹۳
۱۷	یوسف بن تاشفین	۲۱۳	۲	استفسار وجواب	،،
	آثار علمیہ و تاریخیہ		۱	بت اور بدھا	۳۷۰
۱	مولانا شبلی نعمانی کی ایک نادر تحریر	۱۳۹		وفیات	
	معارف کی ڈاک		۱	پروفیسر محب الحسن	۳۷۶
۱	(۱)	۷۱	۲	جناب جی - عبدالرشید مرحوم	۱۵۲
۲	(۲)	،،	۳	جناب حیات اللہ انصاری	۲۳۴
۳	(۳)	۷۲	۴	علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز	۳۷۴
۴	(۴)	۷۳	۵	مولانا شاہ عبدالحلیم جونپوری	۴۷۵
۵	(۵)	۷۴		ادبیات	
۶	(۶)	۱۵۲	۱	حمد باری	۱۵۵
۷	(۷)	،،	۲	صابیؒ	۷۵
۸	(۸)	۲۳۲	۳	غزل	۷۶
۹	(۹)	۲۳۳	۴	غزل	۱۵۶
۱۰	(۱۰)	۳۱۷	۵	نعت (حدیث غم)	۷۵
۱۱	(۱۱)	۳۹۱		مطبوعات جدیدہ	۷۷-۱۵۷، ۲۳۷-۳۱۸، ۲۹۷-۳۷۹
	اخبار علمیہ	۲۸۶-۳۶۷			

جلد ۱۶۳ - ماہ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۹۹ء عدد - ۱

فہرست مضامین

شذرات — ضیاء الدین اصلاحی — ۲-۳

مقالات

عالم اسلام کی سب سے عظیم اور قدیم یونیورسٹی جامع ازہر کا شاندار علمی و دینی و سیاسی ماضی اور حال — مولانا ڈاکٹر حبیب ریحان خان ندوی ازہری، معتمد تعلیم دارالعلوم، تاج المساجد بھوپال — ۵-۲۲

تذکرۃ الواقعات — ڈاکٹر زرینہ خان، شعبہ فارسی علیگڑھ — ۲۳-۳۹

حضرت مخدوم عبدالحق ساوائی القادری البیجاپوری — جناب عبید اللہ ایم، اے، کتب خانہ مدرسہ محمدی، مدراس — ۴۰-۵۱

ابن خلدون کی تاریخی و جغرافیائی نگارشات پر ایک نظر — ڈاکٹر محمد عبدالحفیظ صدیقی، سابق صدر شعبہ جغرافیہ، نیشنل ڈیفنس اکیڈمی، پونے — ۵۲-۵۸

گوشوارہ کلیات اقبال — جناب محمد بدیع الزماں، ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ، پھلواری — ۵۹-۶۵

شعر و ادب میں نمرود کی تلمیح — پروفیسر نقی حسین جعفری، نئی دہلی — ۶۶-۷۰

معارف کی ڈاک

(۱) مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، لکھنو — ۷۱

(۲) جناب مسعود احمد برکاتی، ہمدرد فاؤنڈیشن، پاکستان — ،،

(۳) جناب گلزار احمد صاحب بلک، البدر اکیڈمی، جہلم، پاکستان — ۷۲

(۴) جناب پروفیسر محمد طفیل ہاشمی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، پاکستان — ۷۳

(۵) جناب عزمی خیر آبادی، لکھیم پور کھیری — ۷۴

ادبیات

نعت (حدیث غم) — ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ — ۷۵

صابیؒ — جناب عرفی آفاقی، اندرا نگر، لکھنو — ،،

غزل — جناب وارث ریاضی صاحب، مغربی چمپارن بہار — ۷۶

مطبوعات جدیدہ — ع - ص — ۷۷-۸۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی عظیم و جلیل شخصیت پر ہندوستان کے مسلمانوں اور دنیائے اسلام کو فخر ہے، غیر مسلم حضرات بھی ان کی عظمت و برتری کے پوری طرح معترف ہیں، وہ علم و فضل اور کثرتِ تصانیف ہی کے لیے نہیں بلکہ ایمان و عقیدہ کی پختگی و مضبوطی، زہد و ورع اور سیرت و کردار کی بلندی و پاکیزگی کے لیے بھی مشہور و ممتاز ہیں، مولانا عالم اسلام اور ہندوستان کے مختلف اداروں اور تحریکوں کے سربراہ اور حیاتی رکن ہیں، ان گوناگوں کمالات اور عظیم الشان علمی و دینی خدمات کی بنا پر ان کو شاہ فیصل ایوارڈ ملا تھا اور بیت اللہ کی کلید انہیں سپرد کی گئی تھی اور اب دبی میں ۱۹۹۸ء کا اسلامی شخصیت ایوارڈ انہیں دیا جارہا ہے، مولانا دارالمصنفین کی مجلس عاملہ کے باوقار صدر ہیں، کارکنان دارالمصنفین اس ایوارڈ کے لیے تہہ دل سے ان کو مبارکباد دیتے ہیں، گو ان کی بے نیاز اور مستغنی ذات ان اعزازات سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے، اس سے مولانا کی نہیں خود اعزاز کی عظمت میں اضافہ ہوا ہے۔

ایک طرف تو دنیا بھر میں اس قدر گرم جوشی سے حضرت مولانا کی پذیرائی ہورہی ہے، وہ جہاں تشریف لے جاتے ہیں وہاں کے عوام اور اصحاب علم و کمال ہی نہیں امرا و اعیان دولت اور وزرا و سلاطین بھی ان کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں، دوسری طرف خود ان کے ملک میں جو ان کو بہت محبوب ہے، جس کی آزادی میں ان کا بھی حصہ رہا ہے، جس کی تعمیر و ترقی ہمیشہ ان کے پیش نظر رہی ہے اور "پیام انسانیت" کے پلیٹ فارم سے جس کے باشندوں کو محبت و الفت، اتحاد و یک جہتی، اخوت اور بھائی چارگی اور امن و خیرسگالی کی دعوت اور نفرت، عداوت اور تفریق کا رویہ چھوڑ دینے کی تلقین فرماتے رہے ہیں، اس ملک میں ان کے ساتھ جو سلوک ہورہا ہے اس پر پوری دنیا میں اس کی رسوائی ہورہی ہے، ان کی عزیز ترین اور بین الاقوامی شہرت کی حامل درسگاہ ندوۃ العلماء جس سے ان کا موروثی تعلق ہے اور جس کے اب وہی ناظم ہیں، پہلے اس پر اور ڈیڑھ دو ماہ قبل ان کے ذاتی مکان پر

شب خوں مارا گیا، اس سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ مجرمانہ حرکت کی ان کے خلاف نہ کانگریسی حکومت نے کوئی کارروائی کی اور نہ بی۔ جے۔ پی کی حکومت کوئی اقدام کررہی ہے، ہم نشۂ اقتدار میں بدمست لوگوں سے کہنا چاہتے ہیں کہ حکومت و اقتدار عارضی ہے، اس سے مولانا کی پائدار عزت اور مقبولیت کو ختم نہیں کیا جاسکتا ہے

اگر گیتی سراسر باد گیرد　　چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ فلاسفی کی جانب سے "اسلام میں تسلسل و تبدل" کے موضوع پر ایک سمینار ۱۴ر تا ۱۶ر دسمبر کو ہوا، شعبہ کے سربراہ اور سمینار کے ڈائرکٹر پروفیسر رفیق احمد کی مہربانی سے اس کا دعوت نامہ راقم کو بھی ملا تھا، لیکن میں اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے ۱۴ر کی شام کو پہونچا اور ۱۶ر کو تین بجے واپس چلا آیا، اس لیے مقالات خوانی کے صرف تین ہی جلسوں میں شرکت ہوسکی، ۱۵ر کو صبح کے سشن کی صدارت بھی کی، بنگلہ دیش، کشمیر اور ملک کی مختلف یونیورسٹیوں کے شعبۂ فلاسفی اور دوسرے شعبوں کے حضرات سمینار میں شریک ہوئے، جناب عابد رضا بیدار (رام پور) پروفیسر تصدق (شعبۂ فلاسفی علی گڑھ) پروفیسر یسین مظہر صدیقی (صدر شعبۂ اسلامیات علی گڑھ) ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی (شعبۂ معاشیات علی گڑھ) ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی (ریڈر شعبۂ اسلامیات علی گڑھ) اور مسٹر وسیم احمد فلاحی (جامعہ ہمدرد دہلی) کے مقالات پسند آئے، راقم نے قرآن مجید کی تفسیر و تاویل میں آزادی کے حدود پر مقالہ پڑھا، اندازہ ہوا کہ سمینار میں اچھے مقالات پڑھے گئے جن پر خوب سوالات بھی ہوئے، سمینار کی کامیابی کے لیے پروفیسر رفیق احمد اور شعبۂ فلاسفی کے اساتذہ تحسین کے مستحق ہیں۔

ضلع بلیا کے قصبہ بلتھرا روڈ میں گاندھی محمد علی میموریل انٹر کالج ایک مشہور تعلیمی ادارہ ہے، اس کے زیر اہتمام ہر سال گاندھی جینتی کے موقع پر پروگرام ہوتے ہیں، اس سال کالج کے منتظمین نے مولانا محمد علی جوہر کے یوم پیدائش ۱۰ر دسمبر کو یک روزہ سمینار کرایا جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی، مقالہ خوانی

کے لیے مئو اور بلیا کے بعض اہل قلم کے علاوہ راقم کو بھی مدعو کیا گیا تھا، مقالہ نگاروں نے مولانا محمد علی کی سیرت و شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر مضامین پڑھے، راقم نے "مولانا محمد علی کا ادبی پایہ" کے عنوان سے مقالہ پڑھا جو پسند کیا گیا، سمینار میں ضلع بلیا کے کپتان اور اے۔ ڈی۔ ایم اور جناب رضوان احمد صاحب ڈی۔ آئی۔ جی بھی شریک تھے، وہ اس کالج کے پرانے طالب علم اور اسی علاقے کے رہنے والے ہیں، ان کی نیک نامی اور اچھی کارکردگی کی خبر پہلے سے کانوں میں پڑی ہوئی تھی، لیکن ملاقات پہلی بار ہوئی، بڑی محبت اور گرم جوشی سے ملے، ان کی تقریر بہت پسند کی گئی، سمینار کی نظامت جناب سید قاسم رضا انا نے خوش اسلوبی سے کی۔ جنگ آزادی کے اس بڑے رہنما اور عظیم سپہ سالار کی یاد میں یہ سمینار منعقد کرنے پر کالج کے منتظمین، اساتذہ اور طلبہ قابل مبارکباد ہیں۔

کئی ماہ پہلے سعودی عربیہ کے دو اسکالروں کے ہمراہ جامعہ سلفیہ بنارس کے بعض فضلا دارالمصنفین تشریف لائے تھے، ہم نے ان سے فرمایش کی تھی کہ جامعہ سلفیہ میں جس طرح عرب ملکوں سے کتابیں آتی رہتی ہیں اسی طرح دارالمصنفین کو بھی کتابیں منگوا دیا کریں، چنانچہ جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت سے تقسیم کے لیے جامعہ کے پاس کتابیں آئیں تو اس نے اس میں سے ۲۵ کتابیں ہم کو بھی بھجوائیں، ان میں علامہ ابن کثیر کی تفسیر کی چار جلدیں، سبل السلام شرح بلوغ المرام (دو حصے) اور زاد المعاد کے پانچ حصے وغیرہ، اس عنایت کے لیے ہم جامعہ سلفیہ بنارس اور جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی (کویت) کے خاص طور پر شکر گزار ہیں۔ ہمارے فاضل دوست مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی موطا امام محمد کی شرح التعلیق الممجد (مولانا عبدالحئی لکھنوی) پر عرصہ سے کام کر رہے ہیں، ۱۹۹۱ء میں انہوں نے اس کا جو نسخہ اپنی تحقیق و تحشیہ کے ساتھ شائع کیا تھا وہ ختم ہو گیا تھا، اب انہوں نے اس کا دوسرا ایڈیشن مزید اضافوں کے بعد شائع کیا ہے، جس سے ان کی محنت شاقہ اور حدیث نبوی سے شیفتگی کا پتہ چلتا ہے۔

مقالات

عالم اسلام کی سب سے عظیم اور قدیم یونیورسٹی

جامع ازہر کا شاندار علمی و دینی و سیاسی ماضی و حال

از مولانا ڈاکٹر حبیب ریحان خاں ندوی ازہری

(۲)

حصار قسطنطنیہ کے وقت پادریوں کا کردار

محمد الفاتح کو اللہ نے بشارت رسول اللہ ﷺ پوری کرنے کی سعادت بخشی، اس نے قسطنطنیہ کو فتح کیا، اس کے لیے خدا سے مدد و استعانت مانگی اور اسباب بھی اپنائے، توپ بنائی، کشتیوں کے پہونچنے کا محیر العقول طریقہ ایجاد کیا بحری و بری حصار کیا اور قدرتی دفاع کے ساتھ ساتھ دشمن سے زیادہ حکمت اور قوی اسلحے کے ذریعے اس نے اللہ کی مدد سے یہ کارنامہ انجام دیا۔

رومن بادشاہ قسطنطین اپنے شہر کو بچانے کے لیے پادریوں سے روپیہ مانگتا رہا لیکن دولت کو وہ چرچ کے خزانوں میں چھپائے رہے۔ فوجی قوت کو بڑھانے اور دفاع کے اسباب کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے ان کا مقدس مشغلہ یہ تھا کہ وہ اناجیل اور مقدس پادریوں کے اقوال کا زبانی وظیفہ کرتے رہے، صلیب کے تلے کھڑے ہو کر وہ گھنٹوں منتر پڑھتے تھے اور محمد الفاتح کو گالیاں دیتے تھے اور خبردار کرتے تھے کہ اگر وہ چرچ میں داخل ہوا تو اندھا، لنگڑا، کوڑھی اور اپاہج ہو جائے گا کیونکہ روح القدس یہاں حفاظت کر رہے ہیں۔

وہ اسے سزا دیں گے لیکن جب محمد الفاتح داخل ہوا تو پادری اس کے روبرو جھک گئے اور دعائیں دینے لگے اور کہنے لگے کہ تم موید بروح القدس ہو ورنہ کیسے داخل ہوتے ؟ جب مال کی تلاشی ہوئی اور خزانوں کے انبار چرچ کے تاریک مخزنوں سے نکلے تو محمد الفاتح نے ان سے پوچھا کہ تمہارا بادشاہ جب ملک، شہر اور دین کی مدافعت کے لیے تم سے بار بار مدد مانگتا رہا تو تم نے یہ مال وزر کیوں نہیں پیش کیا ؟ مگر اس بات کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

والی خورشید کی معزولی اور محمد علی پاشا کی تقرری

عہد عثمانی میں جامع ازہر کی سیاسی پوزیشن بڑی اہم تھی، سلطان معظم کی طرف سے مصر کی ولایت پر خورشید مامور تھا اس کی حرکتوں سے مصری عوام نالاں اور عاجز تھے ازہریوں نے اس کو معزول کر کے سلطان سے مطالبہ کیا کہ محمد علی کو والی مصر بنا دیا جائے، سلطان نے یہ مطالبہ منظور کیا، محمد علی کے زمانہ میں مصر کو بہت ترقی ہوئی اور اس کی اولاد نے وہاں باقاعدہ حکومت کی۔

تاہم اس کی یہ احسان فراموشی قابل ذکر ہے کہ اس نے ازہر کی عظیم عوامی پوزیشن کی وجہ سے یہ خطرہ محسوس کیا کہ اس کے خلاف بھی یہ لوگ کبھی احتجاج کر سکتے ہیں اس لیے ان کی شان گھٹانے کے کئی طریقے اور حربے استعمال کیے، بعض کو معزول کیا، بعض کو قتل اور جلاوطن کیا اور سازش سے علمائے ازہر کے اتحاد کو ختم کر کے ان میں اختلافات پیدا کرنے کی کوشش کی وغیرہ۔

ازہر اور ثورہ عرابی

شیخ محمد العباسی المہدی مشیخت ازہر اور مفتی الدیار المصریہ کے دونوں عہدوں پر فائز تھے، عرابی اور ان کے ہم نوا ان کے مخالف تھے، ان کے خلاف متعدد شکایتیں کیں، بالآخر شیخ الازہر کو معزول کر دیا گیا اور دلیل یہ دی گئی کہ وہ حنفی مفتی ہیں اور مشیخت الازہر عام طور پر علمائے شافعیہ کو دی جاتی ہے، خدیوی توفیق کی

یہ قرارداد ۱۲ محرم ۱۲۹۹ھ - ۵ دسمبر ۱۸۸۱ء کو صادر ہوئی اور شیخ محمد انبابی ۱۱ دسمبر کو نئے شیخ الازہر مقرر ہوئے جن کے تین مستشار مذاہب فقہ ثلاثہ سے مقرر کیے گئے تھے۔ مفتی الدیار المصریہ کا عہدہ بدستور شیخ عباس ہی کے پاس رہا۔ بہرحال خدیوی توفیق کے خلاف کی گئی یہ بغاوت ناکام ہوئی اور بڑے بڑے باغی فوجی قید و بند اور جلاوطنی کا شکار ہوئے، خدیوی توفیق کو مکمل اختیارات اور نفوذ ملنے کے بعد ۸ ذی القعدہ ۱۲۹۹ھ - ۲۱ اکتوبر ۱۸۸۲ء کو دوبارہ شیخ محمد العباسی المہدی کو شیخ الازہر بنایا گیا۔

ثورۂ عرابی جس میں ازہر کے علما بھی شامل تھے، اس کی تفصیل جدید تاریخ مصر میں نمایاں مقام حاصل کیے ہوئے ہے، یہاں یہ اجمالی بیان کافی ہے۔

ازہر اور ثورہ ۱۹۱۹ء

ازہر کی عوامی پوزیشن سے ہر حاکم خطرہ محسوس کرتا تھا اس لیے اسے سیاست کے جھمیلوں سے الگ کرنے اور اہم علمی و دینی کاموں میں مشغول رہنے کی نصیحت خدیوی نے شیخ الجامع الازہر شربینی کو اس طرح کی "میں نے اپنے بہت سے بھائیوں کو دیکھا جو خدمت علم میں مشغول رہتے ہیں، سیاست سے بہت دور ہیں اور دنیا کے باطل مظاہر سے دور بھاگتے ہیں"۔

لیکن ازہر مصر اور عالم عرب کی سیاسی جد و جہد کا آئینہ دار تھا اور اس نے علما، سیاست دان اور لیڈر و حاکم پیدا کیے تھے، انگریزی احتلال کے خلاف قاہرہ میں ایک عوامی اور دوسرا ازہریوں کا اہم مظاہرہ ۹-۱۰ مارچ ۱۹۱۹ء کو ہوا تھا اس نے حریت کا شعلہ تمام مصریوں میں پھونک دیا تھا، نعرہ یہ تھا "مکمل استقلال یا موت"، ان مظاہروں نے عوام میں آزادی اور حقوق طلبی کا زبردست جذبہ پیدا کیا، انگریزوں نے غصہ میں ناسمجھی کا مظاہرہ کیا اور ازہر کو بمباٹ کرنے کے لیے توپ نصب کی، ازہر کے ایک نوجوان نے اوپر سے

چھلانگ لگا کر توپ بردار کو زمین پر پٹک دیا، لیکن انگریز کی غدار گولی نے اس نوجوان کو شہید کر دیا اور ازہری خون سے ازہر کا قلعہ رنگین ہوگیا۔

ازہری علماء و خطباء کی پُرجوش تقریریں اور منشورات عوام کی رہنمائی کر رہے تھے، ازہریوں نے مصریوں پر اور ازہریوں پر الزامات لگائے انہیں فوجی عدالتوں میں گھسیٹا لیکن وہ آزادی کا صور پھونکتے رہے بالآخر سامراجی احتلال کی انتہا ہوئی طویل اور صبر آزما تاریخی کوششیں جاری رہیں، مصر میں انگریزی سامراج کا خاتمہ معاہدات کے ذریعے ہوا اور شاہ فاروق کے خلاف ۲۳ جولائی سنہ ۱۹۵۲ء میں انقلاب آیا اور جمہوری حکومت کا اعلان کیا گیا اور فوجی اڈے ہٹائے گئے۔

ازہر کی سیاسی اہمیت عصر حاضر میں جب مصر پر سہ طاقتی حملہ ہوا تو جمال عبدالناصر نے جامع ازہر کے منبر سے جہاد کا اعلان کیا، اس سے جامع ازہر کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ظلم و ستم، ناانصافی، حقوق انسانی کی بے حرمتی، اسلامی شعائر کی خلاف ورزی کے خلاف آج تک ازہر اپنی زبان و قلم سے جہاد جاری رکھے ہوئے ہے، اس کے کارناموں کی تفصیل طوالت کے خوف سے قلم انداز کی جاتی ہے، قاہرہ میں حقوق نسواں کی کانفرنس کے نام پر جو بے شرمی و بداخلاقی امریکی قوت نے حکومت مصر کی موافقت سے کی تھی اس کے خلاف مرحوم شیخ جاد الحق شیخ الازہر کا بیان جرأت حق کی زندہ علامت تھا، اسی طرح چین میں کی گئی کانفرنس کے خلاف بھی شیخ کا بیان اہمیت رکھتا ہے۔

ازہر کی تعلیمی تاریخ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جامع ازہر کا قیام فاطمی مرکز کے طور پر عمل میں آیا تھا اس لیے شروع میں نماز اور فاطمی مذہب کی تبلیغ اور بر[illegible] ہوتا تھا، جب تدریس شروع ہوئی تو اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ علمی طور پر فاطمی مذہب کی آراء کو ثابت کیا جاسکے۔

سب سے پہلا تعلیمی حلقہ صفر ۳۶۵ھ ۹۷۵ء میں قاضی القضاۃ ابوالحسن علی بن النعمان بن محمد القیروانی نے قائم کیا جس میں فقہ شیعی کی کتاب "الاختصار" پڑھائی گئی۔ زیادہ منظم طور سے تعلیم کا آغاز اس وقت ہوا جب وزیر یعقوب ابی کلس اس کی طرف متوجہ ہوا اور وہ خود منگل اور جمعہ کو الرسالۃ الوزیریہ سے درس دیتا تھا جو فقہ شیعی کی اہم کتابوں میں سے ہے، اس نے خلیفہ کو متوجہ کیا کہ باقاعدہ بعض علماء کو تدریس پر مامور کیا جائے اور ان کو مشاہرہ دیا جائے، اس وقت ازہر کا کام فاطمی مذہب کے داعی پیدا کرنا تھا جس کے حسب ذیل چار حلقے تھے۔

۱۔ قرآن پاک اور اس کی تفسیر کا حلقہ، اس میں عوام و خواص سب شریک ہوتے تھے ۲۔ تعلیمی حلقہ جس میں استاذ کرسی پر بیٹھتا تھا اور طلبہ سوال و جواب کرتے تھے۔ ۳۔ تعلیم یافتہ لوگوں کا حلقہ جو ہفتہ میں دو دن ہوتا تھا، اس کی صدارت داعی الدعاۃ کرتا تھا۔ ۴۔ عورتوں کا حلقہ جس میں وہ دینی امور سیکھتی تھیں، دینی علوم کے ساتھ ہی قرأت لغت و ادب، نحو و منطق اور فلکیات وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

فاطمی عہد میں دو بڑے منصب تھے، ایک داعی الدعاۃ دوسرا قاضی القضاۃ۔

ایوبی عہد میں ازہر میں نماز جمعہ بند ہوگئی تھی، تعلیم کی طرف بھی حکومت کی توجہ نہیں تھی، دوسرے مدارس کھل چکے تھے لیکن پھر بھی ازہر کے بعض مدرسین لوجہ اللہ اس میں تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اس دور کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

ممالیک کے عہد میں سلطان الظاہر بیبرس ازہر کی عظمت اور تعلیم کو رائج کرنے والا

اہم شخص تھا، اس نے سو سال بعد جامع ازہر میں جمعہ قائم کیا۔ اس وقت عالم اسلامی ہلاکو اور اندلس کی تباہ کاریوں کے مرحلے پر تھا، مصر میں تمام علماء و فضلاء جمع ہوگئے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اس عہد میں ازہر جامع عالیہ بن گئی تھی، اس میں امام بوصیری، مقریزی، صنوبری، دمیری، سیوطی، ابن ایاس، ابن حجر عسقلانی، موسیٰ بن میمون، عبداللطیف البغدادی، ابن خلدون شعرانی وغیرہ جیسے اکابر علمائے اسلام جمع ہوگئے تھے، اس لیے تعلیم میں ترقی ہوئی۔

اس عہد میں صحاح ستہ مسند امام احمد والشافعی پڑھائی جاتی تھیں، نیز دوسرے علوم کے مختصرات مضمون کی شکل میں حفظ کرائے جاتے تھے اور پھر اس کی شرحیں پڑھائی جاتی تھیں۔

عہد عثمانی میں | ترکوں نے شیخ الازہر کا عہدہ ایجاد کیا تاکہ ازہر کے تمام معاملات شیخ کے ذریعے انجام پذیر ہوں، اس سے پہلے براہ راست سلطان ہی دیکھ بھال کرتے تھے، تعلیم کے عام طریقے ہی رائج رہے، اس زمانہ میں شرعی و لغوی علوم کے علاوہ حساب، میقات، جبر، مقابلہ، منحرفات، اسباب امراض، اسطرلاب، زیج، ہندسہ، ہیئت وغیرہ پڑھائے جاتے تھے جس کا تذکرہ شیخ احمد الدمنہوری کی سند میں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ لغوی و شرعی علوم ہی اصل تھے اور انہیں کے حلقے زیادہ قائم تھے۔ دوسرے علوم کے حلقے بہت کم ہوتے تھے۔

اس زمانہ میں ازہر یا مصر ہی نہیں پورے عالم اسلامی پر جمود چھایا ہوا تھا، انہیں اسکی خبر ہی نہیں تھی کہ یورپ میں کیا ترقی ہورہی ہے، جب نپولین نے مصر پر حملہ کیا اس وقت مصریوں کی آنکھیں کھلیں، نپولین کے جانے کے بعد اصلاح نصاب تعلیم وغیرہ کی آوازیں اٹھیں، انیسویں صدی مختلف فکری رجحانات کی صدی تھی، قدیم کے دلدادہ کہتے تھے کہ جدید علوم

زندگی کو مذہب اور مذہبی علوم سے بیگانہ کردیں گے، جدید کے خواہشمند کہتے تھے کہ زندگی کی ترقی تعلیم کے تنوع میں ہے اور ہر قسم کی تعلیم ہونی ضروری ہے، صحیح تعلیم کے ذریعے روشنی پھیلتی ہے اور مذہب سے دوری نہیں ہوتی، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ ایک شخص تمام علوم میں ماہر نہیں ہوسکتا، دینی و شرعی علوم کے لیے جدید تعلیمی طریقوں سے واقف علما ضروری ہیں۔

محمد علی پاشا مصر کے والی ہوئے تو انہوں نے ترقی اور تعلیم کی طرف بڑی توجہ کی، ترکی اور عربی زبانوں میں یورپ کی کتابیں ترجمہ ہوئیں، جب مصر سے فرانس تعلیم کے لیے سرکاری طور پر طلبہ بھیجے گئے تو سب کے سب ازہری تھے، شیخ رفاعہ طہطاوی جو مصلح عظیم شیخ حسن عطار کے شاگرد تھے انہوں نے واپسی پر سفرنامہ لکھا اور تمام وہ طلبہ جو پڑھ کر آئے انہوں نے جدید تعلیم کی اہمیت کا اندازہ کیا لیکن یہ تمام علوم اس وقت داخل نہ ہوسکے ان کے لیے ابھی وقت درکار تھا۔

اس زمانہ میں تعلیم کا قدیم نظام ہی رائج تھا، اساتذہ کے حلقے تھے اور اساتذہ علوم شرعیہ و لغویہ و عقلیہ وغیرہ کے درس دیتے تھے، ہر طالب علم اپنے ذوق کے مطابق حلقہ میں بیٹھ جاتا تھا، استاد ہی طالب علم کو سند دیتا تھا۔

یہاں یہ بتانا بہت ضروری ہے کہ عثمانی خلافت اور جامع ازہر عالم اسلام کی عام زبوں حالی سے الگ کوئی چیز نہیں تھے، عربوں کی تمام بدحالیوں کا ذمہ دار ترکوں کو سمجھنا غیر ذمہ دار مورخین کا شیوہ رہا ہے، ترکوں کی آمد سے قبل عرب ممالک انتہائی پستی کا شکار تھے ممالیک نے اقتصادی تباہی مچا رکھی تھی حتی کہ ساحل حرمین شریفین پر سامراجی حملہ آور تھے عرب اپنے دفاع سے عاجز تھے، ترکوں نے حفاظت کی، عربی زبان کا معیار وہ ہوگیا تھا جس کے نمونے بآسانی دیکھے جاسکتے ہیں، عربی کی ترقی بھی ترکی و عربی ادبا نے عہد عثمانی میں

کی تھی اسی طرح جامع ازہر کو مصر کی علمی و فوجی پستی کا ذمہ دار قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے، پورا عالم اسلامی و عربی خواب خرگوش میں مبتلا تھا، ازہر نے دینی علوم اور عربی زبان کی حفاظت کی اور عہد ترقی میں ازہری علماء پہلے نے حصہ لیا، اس لیے منصف غیر متعصب اور پورے ماحول پر نظر رکھ کر تبصرہ کرنے والے مورخ کی ضرورت ہے۔

ازہر کے اصلاحی قوانین جامع ازہر کے قدیم زمانہ کے بعض قوانین کا ذکر پہلے ہو چکا ہے لیکن دراصل تعلیم کے ارتقاء، اس کے نظام اور دوسرے احوال سے متعلق اہم قوانین انیسویں صدی سے صادر ہونے شروع ہوئے اور ان سے بڑی حد تک ازہر کی تنظیمی و تعلیمی اصلاح ہوئی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہم قوانین کا مختصر تذکرہ کیا جائے۔

قانون عام سنہ ۱۲۸۷ھ - ۱۸۷۲ء یہ قانون عالمیت کو منظم کرنے کے لیے تشکیل دیا گیا تھا، اس کے تین تعلیمی مرحلوں میں حسب ذیل گیارہ مواد پڑھنے ضروری ہوں گے۔ اصول، فقہ، توحید، تفسیر، حدیث، نحو، صرف، بلاغت، منطق اور بدیع، تینوں مراحل کے بعد ہی سند دی جائے گی جس کا نام "عالمیۃ" ہوگا۔

اس قانون میں تعلیم کی عمر مقرر کر دی گئی تاکہ مسن و معمر طالب علم جو پہلے وظیفہ پاتے تھے اب وظیفہ نہ پا سکیں۔ تعطیلات کا طریقہ رائج ہوا، امتحان کے قاعدے بنائے گئے۔ شیخ الازہر کے منتخب کردہ چھ علماء کے سامنے اور ل امتحان ہونے لگا، یہ قانون شیخ محمد عباس مہدی شیخ الازہر کے زمانہ میں والی مصر اسمٰعیل پاشا نے جاری کیا تھا۔

۱۲۸۸ھ میں پیرس کی عالمی نمائش کے لیے ازہر کی طرف سے یہ علوم متداولہ لکھ کر ارسال کیے گئے تھے۔ اصول، تفسیر، حدیث روایتاً درایتاً، توحید، منطق، نحو، صرف، معانی بدیع، متن اللغۃ، الوضع، العروض والقافیہ، الحکمۃ الفلسفیۃ، التصوف، الحساب، الجبر والمقابلہ،

الفلک والہیئت، ان علوم متداولہ کے علاوہ علوم ہندسہ، طبیعیہ موسیقی اور تاریخ کو صرف وہ لوگ پڑھتے ہیں جو ان علوم کا ذوق رکھتے ہیں۔

۱۸۹۲ء کے بعد توحید، تصوف، مصطلح الحدیث اور مذاہب اربعہ کی فقہ و اصول فقہ پڑھائے جاتے تھے اور آداب بحث، تاریخ، جغرافیا، حساب، پینٹنگ، فلسفہ و حکمت، علم ہیئت، میقات وجبر کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں۔

قانون سنہ ۱۳۱۳ - ۱۸۹۵ شیخ محمد عبدہ کی اصلاحی کوششوں کے نتیجے میں قدیم و جدید حضرات کے اختلافات کے بعد یہ قانون وضع کیا گیا تھا جس کی خصوصیت یہ تھی کہ خود علمائے ازہر نے خدیوی عباس سے مطالبہ کیا، اس قانون کی رو سے ایک مجلس ادارۃ الازہر بنائی گئی جس میں مذاہب اربعہ کے نمایندے شامل تھے۔ شیخ محمد عبدہ اور شیخ عبدالکریم سلیمان حکومت کے مقرر کردہ نمایندے تھے، صدر کے علاوہ اس مجلس کے ۵ ممبر تھے اور ہر پندرہ دن میں اس مجلس کے ارکان جمع ہو کر تعلیمی و تنظیمی امور کے فیصلے کرتے تھے، تعلیم کی مدت آٹھ سال اور ۴ سال یعنی ۱۲ سال کی گئی، حسب ذیل مواد تعلیمی بڑھائے گئے، اخلاق، فقہ اللغۃ، انشاء، تاریخ اسلامی، مبادی ہندسہ، تقویم البلدان، خط وغیرہ۔

مجلس نے بعد میں تنخواہوں اور طلباء کے وظائف اور علاج و معالجہ کے قوانین بنائے لباس کا وظیفہ ۱۲ پونڈ سے کم اور ۳۲ پونڈ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا، الغرض اس قانون سے متعدد بنیادی اصلاحات ہوئیں۔

قانون سنہ ۱۳۱۴ھ - ۱۸۹۹ء شیخ الازہر سلیم بشری کی قیادت میں تیس رکنی کمیٹی نے اصلاح ازہر کے لیے جو قرارداد منظور کی تھی اس کے رو سے دو ماہ کی چھٹیاں ہونے لگیں، تعلیم ہر سال ۱۰ شوال سے شروع ہو کر نصف شعبان تک جاری رہتی تھی یہ طے پایا کہ تین

قسم کے علوم پڑھائے جائیں گے، علوم المقاصد، علوم الوسائل اور علوم عقلیہ، تعلیم کے تین مراحل طے پائے ہر مرحلہ پانچ برسوں پر مشتمل تھا۔

اس قانون نے ائمہ و خطباء مساجد پیدا کرنے کے لیے ایک سند "شہادۃ الاہلیہ" جاری کی جس کی مدت تعلیم آٹھ سال تھی، تین علماء کے سامنے امتحان دینا ہوتا تھا، اس ڈگری پر شیخ الازہر کے دستخط ثبت ہوتے اور شہادۃ عالمیہ پر خدیوی (حاکم مصر) کے دستخط ہوتے تھے۔

قانون ۱۳۲۶ھ ۔ سنہ ۱۹۰۸ء یہ قانون مدرسۃ القضاء الشرعی کے افتتاح کے بعد صادر ہوا تاکہ مدرسۃ القضاء ازہریوں کے شرعی قاضی بننے کے حق میں مداخلت نہ کر سکے، اس قانون میں تینوں مرحلوں میں امتحانات کو لازمی کیا گیا، تعلیم ۱۲ سال کی گئی، ہر مرحلہ کی تعلیم چار چار سال تھی۔ ازہر کے ادارہ کے لیے شیخ الازہر کی قیادت میں ۶ رکنی مجلس وضع کی گئی جن میں مفتی اور شیوخ مذاہب کے علاوہ دو حکومت کے نمایندے شامل کیے گئے۔

قانون سنہ ۱۹۱۱ء پھر ازہر کا کلیدی قانون ۱۳۲۹ھ (سنہ ۱۹۱۱ء) قانون نمبر ۱۰ کے نام سے جاری ہوا جس میں ازہر کی تعلیم کو نئی بنیادوں پر استوار کیا گیا، شیخ الازہر کے اختیارات کے حدود مقرر اور واضح کیے گئے، پورے ملک میں ازہر کی سرپرستی میں دینی معاہد کھولے گئے، ازہر کے نصاب میں ان نئے مضامین کا اضافہ کیا گیا، تاریخ عام، جغرافیہ، ریاضی اور کیمیا، علم شریعت کی مکمل تعلیم اور تقریب بین المذاہب کے خیال سے نیز اس لیے کہ مصر میں فقہ اسلامی کے تمام مذاہب کو ماننے والے موجود تھے اور ساری دنیا کے طلباء بھی یہاں پڑھتے تھے، ایک اہم بات یہ طے کی گئی کہ باقاعدہ فقہ کے مذاہب اربعہ کی تعلیم کے لیے ہر مذہب کا ایک شیخ مقرر کیا گیا جس کی نگرانی میں اساتذہ تعلیم دیں، یہ بات نہایت مفید ثابت ہوئی، ابتدائی و ثانوی مرحلوں میں علوم دینیہ کے ساتھ علوم عقلیہ بھی پڑھایا جانا طے پایا لیکن مرحلہ عالمیہ

کو صرف دینی علوم کی تعلیم کے لیے مختص کیا گیا۔ وکیل یعنی نائب شیخ الازہر کی تعیین بھی ہوئی، علماء کی اعلیٰ کمیٹی "ہیئۃ کبار العلماء" ازہر کی نگرانی کے لیے قائم کی گئی۔ اس کے قوانین کو بھی منظم طور پر واضح کیا گیا، یہ قانون شیخ سلیم البشری کے عہد میں وضع ہوا۔

قانون ۱۳۴۲ھ ۔ ۱۹۲۳ء اس قانون کی رو سے مدت تعلیم سولہ سال کی گئی اور اسکے بعد مرحلہ تخصیص بھی کھولا گیا، جس میں داخلہ عالمیت کی سند کے بعد ہوتا تھا، تخصیص کی اقسام حسب ذیل تھیں: قسم التفسیر، قسم الحدیث۔ قسم اللغۃ والاصول۔ قسم النحو والصرف، قسم البلاغۃ والادب، قسم التوحید والمنطق، قسم التاریخ والاخلاق۔

قانون سنہ ۱۹۳۰ء علمائے ازہر کی کوششوں اور حکومت مصر کی توجہ سے (سنہ ۱۹۳۰ء) کے قانون نمبر ۴۹ میں ازہر کی مزید ترقی اور تنظیم ہوئی جس میں مساجد و معابد کی تعلیم کے علاوہ یہ تین باقاعدہ کالج کھولے گئے، کلیۃ اللغۃ العربیۃ، کلیۃ الشریعۃ اور کلیۃ اصول الدین، ہر کالج کا بہترین نصاب تیار کیا گیا، مدت تعلیم چار سال رکھی گئی، ہر کالج میں تخصص کی ڈگری کو عالمیہ کا نام دیا گیا تخصص کالج کی ڈگری کا نام الشہادۃ العالیہ رکھا گیا اور تخصص کی ڈگری کو عالمیہ کا نام دیا گیا۔ تخصص مادہ یا ڈاکٹریٹ کے لیے مزید کم سے کم پانچ سال مقرر ہوئے، ادارہ ازہر و اساتذہ کے گریڈ اور دوسرے مالی و ادارتی نظام بھی مقرر ہوئے، شیخ الازہر کا مقام بھی بلند ہوا۔ اس قانون کے ماتحت سنہ ۱۹۳۱ء میں تمام کالجوں میں تعلیم شروع ہوئی اور ۲۸-۲۹ مارچ سنہ ۱۹۳۲ء کو مصر کے بادشاہ ملک فواد نے ان تینوں کالجوں کا افتتاح سرکاری طور پر کیا، یہ قانون شیخ مراغی کی کوششوں کا رہین منت ہے، لیکن ان کے استعفےٰ کے بعد شیخ محمد الظواہری کی مشیخت میں نفاذ ہوا۔

قانون سنہ ۱۹۳۶ء پھر سنہ ۱۹۳۶ء کے قانون نمبر ۲۶ کی رو سے نظام اداری کو مزید مستحکم

کیا گیا اور ازہر کی جدید اعلیٰ ترین یونیورسٹیوں کا درجہ حاصل ہوا، عربی و دینی تعلیم میں مزید اصلاح ہوئی اور جدید علوم کا اضافہ بھی کیا گیا، انگریزی و فرانسیسی کے ساتھ ساتھ کسی مشرقی زبان کی تعلیم بھی ضروری قرار دی گئی۔ یہ قانون امام الاکبر شیخ محمد مصطفےٰ مراغی کے عہد میں نافذ ہوا۔

جامع ازہر کے فیوض و برکات سے استفادہ کے لیے قسم عام کو باقی رکھا گیا جس کی رو سے مسجد میں تحصیل علم کا طریقہ رائج تھا اور معاہد و کلیات میں باقاعدہ تعلیم کا نظام تھا۔

ازہری نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ پورے ملک میں اس کے اعدادی و ثانوی اسکول ہیں جن میں طلبہ تمام شرعی و جدید علوم پڑھتے ہیں اور جب ازہر کے کسی کالج میں آتے ہیں تو تحصیلِ علم کے قابل ہوتے ہیں، وزارت تعلیم مصر کا ایک الگ نظام ۱۲ سالہ کورس کا جاری ہے۔

اکثر لوگ مصر میں ان دو مساوی تعلیموں کی مخالفت بلا سوچے سمجھے فیشن کے طور پر کرتے ہیں جو صحیح نہیں کیونکہ عربی و اسلامی علوم کو سمجھنے اور ہضم کرنے کی صلاحیت اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک ان علوم کے اساسی مبادی اسکولوں میں نہ پڑھے جائیں۔

مصر میں شیخ الازہر کی علمی و دینی حیثیت ہمیشہ ہی سے بہت اہم تھی، ترکی دور میں وہ شیخ اکبر اور شیخ الاسلام سمجھا جاتا تھا لیکن سنہ ۱۹۳۶ء کے قانون میں باقاعدہ شیخ الازہر کے منصب و مقام کی اس طرح تشریح کی گئی ہے۔ شیخ الجامع الازہر تمام رجال دین کا امام الاکبر اور تمام امور کا مشرف و نگرانِ اعلیٰ ہے، علمی و دینی شرف کی وجہ سے تمام اہل علم و دین اور حاملین قرآن و شریعت اس کے ماتحت ہیں چاہے وہ ازہر سے وابستہ ہوں یا نہ ہوں اور وہی علمی طور پر ان سب قرارات و اوامر کو نافذ کرنے والے ہیں جو ازہر سے متعلق صادر ہوں اور ازہر کے تمام ملازمین ان کے ماتحت ہیں۔

اسی وجہ سے شیخ الازہر کا دینی مرتبہ قاضی و مفتی وغیرہ سب سے بلند ہے چنانچہ مصر میں کسی دینی کام میں اسی کی رائے اصلاً معتبر ہے، شیخ الازہر براہ راست بادشاہ کا ماتحت ہوتا، وزارت مال اور وزارت اوقاف بھی ازہر کی مدد کرتی تھی، ازہر کے ذاتی اوقاف کے علاوہ شیخ الازہر براہ راست ملک مصر کے سامنے جواب دہ تھے، لیکن بادشاہ شیخ کی علمی و دینی و اجتماعی و عوامی حیثیت کی وجہ سے انہیں سوال و جواب کے دائرہ میں نہیں لاتے تھے۔

قانون سنہ ۱۹۶۱ء ازہر کی علمی ترقی کا سب سے اہم اقدام جمال عبدالناصر کے زمانہ میں ۵ مئی سنہ ۱۹۶۱ء کو کیا گیا، جس کی رو سے جامعہ ازہر میں تمام علمی و عملی کالج کھولے گئے، میڈیکل کالج انجینئرنگ کالج، ایگریکلچر کالج، سائنس کالج اور وہ تمام کالج جو دنیا کی کسی بھی یونیورسٹی میں ہوں بتدریج یہاں کھولے جائیں گے۔

ان نئی قراردادوں سے طرح طرح کے اعتراضات اور شبہات نے جنم لیا کیونکہ عموماً ہر نئی چیز کی مخالفت کی جاتی ہے، معترضین کا خیال تھا کہ اس طرح ازہر کے دینی و اسلامی علوم محفوظ نہیں رہیں گے اور ان کی نشر و اشاعت میں لامحالہ تعویق ہوگی اور کچھ دن بعد دینی کالجوں میں داخل ہونے والے طلبہ ختم یا کم ہو جائیں گے، بعض حضرات کو الجامع الازہر کے بجائے الجامعۃ الازہریہ کے نام پر بھی اعتراض تھا، ان کے یہ خدشات کسی حد تک بجا تھے کیونکہ مسجد کے اندر کی تعلیم عام ختم کر دی گئی تھی۔

لیکن رفتار زمانہ نے بتایا اور آج تقریباً چھتیس سال گزرنے کے بعد بصراحت یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ الحمدللہ خدشات و خطرات سے ازہر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، مشیتِ ایزدی یہی ہے کہ ازہر ترقی کی منزلوں کو طے کرے اور عربی زبان کی حفاظت اور اسلام کی مدافعت و اشاعت میں اپنا منصبی مقام بلند سے بلند تر کرتا رہے۔

پورے ملک میں ازہری تعلیم کا جو اسکولی نظام قائم ہے اس کی وجہ سے عربی اور اسلامی
کالجوں میں آنے والے طلبہ میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ آج کل کے مقابلے میں ان میں زبردست
اضافہ ہوا ہے، یہ ضرور ہے کہ ازہر کے اسکولی طلبہ کو محنت اور عرق ریزی زیادہ کرنی پڑتی ہے
کیونکہ سائنس و ریاضی کے تمام علوم کے ساتھ ساتھ انہیں عربی و اسلامی علوم کا ٹھوس کورس
بھی پڑھنا پڑتا ہے اور وہ اس میں کامیاب ہیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مسیحی تبشیری جماعتیں افریقہ و ایشیا
ے ملکوں میں مسیحی نظریات پھیلانے کے لیے صرف چرچ کے دینی علوم کے حامل افراد کو ہی نہیں
بھیجتی تھیں بلکہ ڈاکٹروں اور سائنسی علوم کے ماہر پروفیسروں کی مدد سے بھی یہ کام کراتی
تھیں، ازہر نے اپنے ڈاکٹروں اور علمی سند یافتوں کو ان ممالک میں بھیجنے کا کامیاب پروگرام بنایا۔
مصر میں ہمیشہ سے تعلیم کا ایک جال بچھا ہوا ہے اور وہ عالم عربی کی علمی ضرورتیں پوری
کرتا ہے، اس طرح ازہر کے فارغین کی فوج ظفر موج نے یہ خدمت بھی انجام دی اور مصر کی علمی
ترقی کے ساتھ اقتصادی و اجتماعی ترقی میں بھی خاطر خواہ مدد کی۔

ازہر میں تاخیر سے ان سائنسی اور علمی کالجوں کا کھلنا بھی قدامت پسندی کی دلیل نہیں
کیونکہ دنیا کی تمام یونیورسٹیاں پہلے ادبی و لسانی کالج میں کھولتی ہیں، مصر کی جامعہ اہلیہ یا جامعہ
فواد جس کا نام اب جامعۃ القاہرہ ہے اس نے بھی ۱۹۰۸ء میں سب سے پہلے کلیۃ الآداب
کھولا پھر کلیۃ العلوم اور رفتہ رفتہ طب و انجینئرنگ اور دوسرے کالج کھلتے چلے گئے۔

نئی تنظیم میں ایک عہدہ مدیر الجامعۃ الازہریہ کا کھولا گیا جو تمام کالجوں کی علمی و سائنسی
ضروریات کا ذمہ دار ہے، شیخ الازہر کا مقام سب سے بلند ہے اور سب شیخ الازہر کے ماتحت
ہیں، شیخ الازہر کا کام دینی و علمی امور کے نگران اعلیٰ اور مسئول کی ہے۔

تمام دینی ادارے اور کتابیں ازہر کی موافقت کی محتاج ہیں، قرآن کی طباعت ازہر کی
تصحیح کے بعد ہی ممکن ہے، اخباروں اور رسالوں میں عربی زبان کی صحت کے لیے ازہری
مصحح موجود ہیں، عالمی اور ملکی معاملات پر شیخ الازہر کا بیان اہمیت کا حامل ہوتا ہے، دین اسلام
اور شریعت حقہ کی نگہبانی اور مدافعت و اشاعت کی تمام ذمہ داری اسکے کاندھوں پر ہے۔
مصر کے سابق صدر انور السادات نے ازہر میں قدیم تعلیم عام کے دروازے پھر کھول دیے
اس میں نصاب رائج ہوا اور اس کے فارغین کو بھی سند دی جاتی ہے اس سے اوپن یونیورسٹی کا
کام پورا ہوتا ہے اور ہر عمر اور سطح کا انسان علم دین سے نفع اندوز ہو سکتا ہے۔
معاہد اور ازہر کی عالی سند شیخ الازہر کے دستخط سے دی جاتی ہے تخصص کی ڈگریوں پر
صدر مصر اور شیخ الازہر کے دستخط ہوتے ہیں، اس قانون کی بدولت آج ازہر یونیورسٹی دنیا کی
ترقی یافتہ یونیورسٹی ہے جس میں سب سے زیادہ طلبہ ہیں اور غیر ملکی طلبہ کی تعداد بھی ہر یونیورسٹی
سے زیادہ ہے

ازہر اہرام سے زیادہ نفع بخش

اہرام مصر قدیم مصری تہذیب کا رمز ہے، لیکن
الیس الازھر خیر من الاھرام (کیا ازہر اہرام سے زیادہ بہتر نہیں ہے) میری یادداشت
ے مطابق یہ رافعی کا قول ہے، یہاں موازنہ مقصود نہیں، ہر تہذیب اپنی جگہ پر ایک اہمیت رکھتی
ہے۔ اہرام کی بدولت آج تک مصری قوم سیاحوں کی آمد سے اقتصادی فوائد حاصل کر رہی
ہے، اسلامی تہذیب کے بھی بہت سے ایسے آثار ہیں جو سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہیں، لیکن
دراصل خیر کی بنیاد وہ فائدے ہوتے ہیں جو انسانوں کے لیے زیادہ نفع بخش ہوتے ہیں،
ازہر کی افادیت و اہمیت صرف مادی فائدوں سے نہیں لگائی جا سکتی گو یہ فائدے بھی بے شمار
ہیں، صرف ازہر کے مدرسین کے ذریعے جو فارن ایکسچینج مصر کو حاصل ہوتا ہے وہ سیاحوں کے

ذریعے حاصل شدہ رقم سے کم نہیں ہوتا۔

ازہر کے روحانی، علمی و اجتماعی فوائد بے شمار ہیں، اس نے کروڑوں انسانوں کے دلوں میں ایمان کا نور جگایا ہے، خدا کی معرفت عام کی ہے، خودی کا تصور بیدار کیا ہے، جہالت کا پردہ فاش کیا ہے اور دنیا کو ایک ہزار برسال سے تمدن کا سبق پڑھا رہا ہے، اس کے فیوض کی جلوہ باری ہر خطۂ زمین پر ہے، ہر ملک کے طلبہ وہاں موجود ہیں اور جس نے اسے دیکھا بھی نہیں ہے وہ بھی اس کے نورانی اثرات اور فکری و علمی آثار سے متاثر ہے، اس نے قرون وسطی میں روشنی کا چراغ جلایا اور آج بھی شمس تاباں بن کر ہر خشک و تر کو حرارت بخش رہا ہے، اس کے علم کی بارش آج تک جاری ہے اور جاری رہے گی، آج بھی وہ علوم و فنون کی آبیاری اور مردم سازی میں مصروف ہے۔ اہرام مصر قدیم یادگار ہے۔ ہر آنے والا دن اس کی عمارت کو کمزور بنا رہا ہے، مرمت و اصلاح کے ذریعے اس کو باقی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، ازہر وہ نہر رواں ہے جس کے سوتے خشک نہیں ہوتے، وہ آفتاب ہے جس کی روشنی مدہم نہیں ہوتی۔

راقم کی یہ سعادت ہے کہ مصر جیسے عظیم ملک اور قاہرہ جیسے مردم خیز شہر میں اس نے پونے چار سال گزارے، وہاں کے علماء، ادباء اور مفکرین کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا جامعہ ازہر کے کلیۃ اصول الدین اور کلیۃ اللغۃ العربیہ سے تخصص کی دو ڈگریاں حاصل کیں، قاہرہ یونیورسٹی سے لیسانس کی ڈگری حاصل کی، معہد الدراسات العربیۃ العالیۃ التابع لجامعۃ الدول العربیہ سے جدید عربی ادب میں ڈپلوما حاصل کیا۔

ازہر کی عمر ہجری سال سے آج ۱۰۵۹ برس ہے، اگر ایک سال کے لیے ایک صفحہ بھی نہیں ایک سطر ہی لکھی جاتی تو ۱۰۵۹ سطریں ہوتیں، اس لیے میرے اس طویل مضمون کو

بہت مختصر ہی سمجھنا چاہیے۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم۔

اس مضمون میں اکثر باتیں اشارتاً کہی گئی ہیں جن کی تفصیل کی ضرورت تھی مثلاً:

قوانین سنہ ۱۹۳۰ء و سنہ ۱۹۳۶ء تفصیلی بحث کے محتاج ہیں۔ اسی طرح قانون سنہ ۱۹۶۱ء بھی تفصیل کا محتاج ہے۔

اس مضمون میں حسب ذیل امور پر گفتگو نہیں ہوسکی ہے۔

ازہر میں طلبہ کے قیام کی تاریخی تفصیل، صحن مسجد اور رواقوں سے لے کر عظیم عالی شان بے شمار ہوسٹلوں کی تدریجی تاریخ۔

ازہر کی تعمیرات کی عہد بہ عہد تفصیل۔

ازہر کے اوقاف عہد بہ عہد اور تعمیرات مسجد و عمارات و دفاتر و کلیات۔

ازہر کے مشائخ و علماء کے تاریخی ادوار، نام اور کارنامے۔

شیوخ الازہر کے نام، تنظیمی قوانین کی تفصیل وغیرہ۔

اصلاح نصاب کی کوششوں کا تفصیلی جائزہ۔

قدیم و جدید کے اختلافات اور تدریجی ترقی کی تفصیل۔

ترکی عہد کی تفصیل، درمیانہ موقف، ترکی کو ساری باتوں کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا اور عالم اسلامی کی عام حالت سے ازہر کو الگ کرکے تبصرہ و تنقید تعصب کی علامت وغیرہ۔

ان تمام امور پر مفصل بحث کسی مستقل کتاب ہی میں ہوسکتی ہے۔

مراجع و مصادر

اس مضمون کے اکثر تبصرے راقم کی رائے پر مبنی ہیں اور ذاتی مشاہدات اور نوٹس کے علاوہ اس میں مندرجہ ذیل تحریروں سے بھی مدد لی گئی ہے۔

۱۔ قانون نمبر ۲۶ سنہ ۱۹۳۶ء، مطبوعہ مطبعۃ المعاہد الدینیہ مصر ۱۹۳۶ء

۲۔ خطۃ و منہج الدراسۃ للقسم الابتدائی حسب قانون سنہ ۱۹۳۶ء، مطبعۃ الازہر ۱۹۳۶ء

۳۔ خطۃ و منہج الدراسۃ للقسم الثانوی حسب قانون ۱۹۳۶ء مطبعۃ الازہر ۱۹۳۶ء

۴۔ خطۃ و منہج الدراسۃ لکلیۃ الشریعۃ حسب قانون ۱۹۳۶ء مطبعۃ الازہر ۱۹۳۶ء

۵۔ خطۃ و منہج الدراسۃ لکلیۃ اصول الدین حسب قانون ۱۹۳۶ء مطبعۃ الازہر ۱۹۳۶ء

۶۔ خطۃ و منہج الدراسۃ لکلیۃ اللغۃ العربیہ حسب قانون ۱۹۳۶ء مطبعۃ الازہر سنہ ۱۹۳۶ء

۷۔ خطۃ الدراسۃ و منہجہا لقسم اجازۃ القضاء الشرعی حسب قانون ۱۹۳۶ء مطبعۃ الازہر سنہ ۱۹۳۷ء۔

۸۔ خطۃ الدراسۃ و منہجہا لقسم اجازۃ القضاء ارشاد حسب قانون ۱۹۳۶ء مطبعۃ الازہر سنہ ۱۹۳۶ء۔

۹۔ خطۃ الدراسۃ و منہجہا لقسم اجازۃ التدریس حسب قانون ۱۹۳۶ مطبعۃ الازہر سنہ ۱۹۳۶ء

۱۰۔ جامعۃ ازہر، مولانا محمد عمران خاں، مطبوعہ الندوہ، ۷ قسطیں مئی تا نومبر سنہ ۱۹۴۰ء

۱۱۔ جامعہ ازہر پر اجمالی نظر۔ مولانا رشید احمد جالندھری ۳ قسطیں، مدینہ بجنور، یکم و ۵ و ۹ فروری سنہ ۱۹۶۱ء

۱۲۔ کتاب الازہر فی الف عام، ڈاکٹر احمد محمد عوف، مطبوعہ مجمع البحوث الاسلامیہ، اپریل سنہ ۱۹۷۰ء

۱۳۔ تقویم جامعۃ الازہر، مطبوعہ جامعہ ازہر سنہ ۱۹۶۳ء

۱۴۔ تقویم جامعۃ الازہر، مطبوعہ العلاقات العامہ جامعۃ الازہر سنہ ۱۹۹۲ء

تذکرۃ الواقعات

از ڈاکٹر زرینہ خان

دوسری صدی ہجری کے اواخر میں ہمایوں بادشاہ کی وفات کے بعد اس کے آفتابچی جوہر نے ۹۹۵ھ میں "تذکرۃ الواقعات" کے نام سے ہمایوں کے عہد کی تاریخ مرتب کی۔ جوہر آفتابچی خلوت وجلوت میں ہمیشہ ہمایوں کے ہمراہ رہتا تھا۔ جوہر کے متعلق زیادہ اطلاعات میسر نہیں ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ مختصر مدت کے لیے ہیبت پور کا اور ملتان و پنجاب سرکار کا خزانچی بھی مقرر ہوا تھا۔ خود جوہر تذکرۃ الواقعات میں اپنے متعلق زیادہ اطلاعات فراہم نہیں کرتا ہے۔ مقدمہ میں رقم طراز ہے:

"بندہ ضعیف درگاہ خلایق پناہ اکبر جوہر کہ چوں سعادت ازلی و عنایت لم یزلی شامل حال بندہ بود۔ ہم در عہد طفولیت بآستان آن درگاہ فلک اشتباہ و بآن دولت ابدی و سعادت سرمدی برسید در سلک بندگان حضرت منسلک شدہ در ہمہ حالات و جمیع اوقات بخدمت حضور قیام می نمود....."

اس کے علاوہ کتاب میں واقعات تاریخی بیان کرتے وقت اکثر مقامات پہ اپنا نام لیا ہے بحیثیت چشم دید شہادت۔ جوہر نے اس کتاب میں بابر کی وفات اور ہمایوں کی تخت نشینی ہمایوں کی وفات اور جلال الدین اکبر کی تخت نشینی تک کے مکمل واقعات درج کیے ہیں۔

گلبدن بیگم دختر بابر بادشاہ و خواہر ہمایوں بادشاہ نے اپنی کتاب "ہمایوں نامہ" میں

ہمایوں کے مکمل حالات زندگی لکھے ہیں اور ضمنی طور پر جوہر آفتاب چی کا بھی ذکر کیا ہے۔

جوہر نے تذکرۃ الواقعات میں عہد ہمایوں بادشاہ کے اہم ترین سیاسی واقعات، اس کی فتوحات اور مختلف جنگوں کا ذکر جس میں جوہر ہمایوں کے ہمراہ شریک تھا، بیان کیے ہیں۔

کتاب کی عبارت سادہ پاک از تصنع و تکلف وادردہے۔ یہ کتاب ہمایوں کے عہد کی تاریخ کے لیے اہم ترین ماخذ ہے۔ انگریز مصنف میجر چارلس نے اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر سید معین الحق نے اردو زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے جو پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی سے چھپ چکا ہے۔

زیر نظر مقالہ میں میں نے مولانا آزاد لائبریری اے۔ ایم۔ یو علی گڑھ میں موجود تذکرۃ الواقعات کے چار قلمی نسخوں کا تعارف تفصیل کے ساتھ کرایا ہے۔ یہ کتاب ۳۲ فصول پر مشتمل ہے۔ چاروں نسخے از اول تا آخر مکمل ہیں۔

(۱) شیفتہ کلکشن تذکرۃ الواقعات ہمایونی

مصنف۔ جوہر آفتاب چی ۹۹۵ھ

ذخیرۂ شیفتہ نمبر ۹۷/۱۲۹ ف تاریخ

خط نستعلیق غنیمت کاتب مرزا احسن ہمدانی

سطر ۔ ۱۵ کتابت ۔ ۱۲۸۳ھ

ورق ۔ ۱۰۱

سائز ۔ ۶ × ۹ ۱/۲

آخر ۔ تمام شد کتاب تذکرۃ الواقعات ۱۲۸۳ھ

کرم خوردہ اور لیمینیشن کیا ہوا ہے۔ الفاظ غائب ہیں اکثر مقامات پر تصحیح قیاسی کی مدد لینی پڑتی ہے۔

ابتدا۔ الحمد للہ رب العالمین والعاقبت للمتقین والصلوٰۃ علیٰ رسول محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

بیت : بعد از حمد خدا و نعت رسول — بشنو این قصہ را بسمع قبول

عنوان نامہ نامی وصحیفہ گرامی بنام شاہنشاہ عالم پناہ کہ غیاث المستغیثین صفت معین اوست وغیاث الدنیا والدین خطاب اوست۔ حضرت نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ غازی نور اللہ مضجعہ۔

۱۔ فصل اول ۔ در انتقال فرمودن ازین دار بیمدار نا قرار بدار القرار حضرت ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی نور اللہ مضجعہ۔

۲۔ فصل دوم ۔ متوجہ شدن بجانب گجرات و فتح نمودن آن ولایت۔

۳۔ فصل سوم ۔ تشریف آوردن حضرت بادشاہ از گجرات بدار الخلافہ آگرہ۔

۴۔ فصل چہارم ۔ کوچ فرمودن حضرت بادشاہ بجانب بنگالہ۔

۵۔ فصل پنجم ۔ در شب خون افتادن افغانان بر لشکر بادشاہ۔

۶۔ فصل ششم ۔ روان شدن حضرت بجانب شیر خان کرت دویم بجہت جنگ۔

۷۔ فصل ہفتم ۔ رواں شدن حضرت بادشاہ از لاہور و رسیدن در اچ[1] و رخصت گرفتن میرزا کامران بجانب کابل۔

۸۔ فصل ہشتم ۔ کوچ کردن حضرت بادشاہ از مقام آچ بجانب بکھر۔

---

[1] یہ اور آگے اچ ہے یعنی اوچھ۔

۹۔ فصل نہم ۔ در نکاح آوردن حضرت بادشاہ زین المستورات عفیفہ مریم مکانی حمیدہ بانو و باز گردیدن جانب آچ۔

۱۰۔ فصل دہم ۔ در کوچ کردن حضرت بادشاہ از آچ بار دوم در رہ ریگستان افتادن و بعضی مردم ہلاک شدن از بی آبی۔

۱۱۔ فصل یازدہم ۔ روان شدن حضرت بادشاہ بجانب امرکوٹ و جنگ افتادن در باین راہ۔

۱۲۔ فصل دوازدہم ۔ تولد شدن حضرت شاہزادہ عالم و عالمیان محمد جلال الدین اکبر خلد اللہ ملکہ و سلطانہ در مقام قلعہ امرکوٹ۔

۱۳۔ فصل سیزدہم ۔ پیشکش فرستادن شاہ حسین میرزا۔ کوچ کردن حضرت بادشاہ بجانب قندھار۔

۱۴۔ فصل چہاردہم ۔ روان شدن حضرت بادشاہ بجانب شاہ عالم پناہ شاہ طہاسپ صفوی۔

۱۵۔ فصل پانزدہم۔ در مذمت کردن ہمایوں بادشاہ را ملازمان میرزا کامران نزد شاہ عالم پناہ شاہ طہاسپ صفوی۔

۱۶۔ فصل شانزدہم ۔ در رخصت کرن شاہ عالم پناہ طہاسپ صفوی حضرت بادشاہ را بعد باداران و روان شدن ایشان بجانب قندھار۔

۱۷۔ فصل ہفدہم ۔ شرف شدن میرزا عسکری در خدمت بادشاہ و بدست آمدن قلعہ قندھار۔

۱۸۔ فصل ہژدہم۔ وفات یافتن پسر شاہ عالم پناہ شاہ طہاسپ صفوی و بدست

آمدن قلعہ قندھار۔

۱۹۔ فصل نوزدہم۔ در بیان در آوردن کابل و گریختن مرزا کامران مرتبہ اول بجانب بھکر و جنگ کردن حضرت بادشاہ با سلیمان میرزا در مقام تیرگران و فتح کردن آن ولایت۔

۲۰۔ فصل بیستم ۔ باز آمدن میرزا کامران بجانب کابل از بھکر و مردم را ایذا رسانیدن و بدست آوردن شاہزادہ عالم و عالمیان محمد جلال الدین اکبر خلد اللہ ملکہ۔

۲۱۔ فصل بیست و یکم ۔ گریختن کامران میرزا و فتح کردن حضرت بادشاہ او در قلعہ کابل در آمدن و تاختن میرزا کامران بجانب قلعہ ظفر و جنگ کردن با مرزا سلیمان و ہزیمت خوردن میرزا کامران و رفتن پیش او ز بیگان۔ آمدیم در حکایت گریختن قراجای قراجت و مصاحب بیگ و پابوس بیگ۔

۲۲۔ فصل بیست و دویم ۔ فال بشارت گرفتن حضرت بادشاہ کہ مرغ بر کتف ایشان آمدہ نشست و قبیل کردن قلعہ تالقان کہ مرزا کامران در آن محاصرہ شدہ بود۔

۲۳۔ فصل بیست و سیوم ۔ بدست آوردن قلعہ تالقان و مشرف شدن میرزا کامران و خلاص شدن میرزا عسکری و روان شدن حضرت بادشاہ از جانب بلخ۔

گفتن حضرت بادشاہ حکایت سلطان محمود غزنوی و یعقوب لیث۔

۲۴۔ فصل بیست و چہارم ۔ در جنگ شدن قبچاق و زخم شمشیر رسیدن بحضرت بادشاہ۔

۲۵۔ فصل بیست و پنجم ۔ در جنگ قبچاق و فرود آمدن حضرت بادشاہ مقام اولیار چنقاد آمدن میرزا ہندال مراتب بادشاہی بنظر گزرانید و میرزا کامران از جنگ گاہ بر آمدن و تصرف کابل بدست میرزا کامران آمدن و شاہزادہ عالمیان را در قید کردن۔

آمدیم درحکایت مرزا کامران۔

۲۶۔ فصل بیست وششم۔ ہزیمت خوردن میرزا کامران وکشتہ شدن قراچا قرا بخت درمقام اشترگران ورفتن مرزا کامران پیش خلیل خاں افغان وشہادت یافتن میرزا ہندال

آمدیم درحکایت شاہزادہ عالمیان محمد اکبر۔

۲۷۔ فصل بیست وہفتم۔ تافتن حضرت بادشاہ زادہ برسر افغانان وفتح نمودن و تاراج وبند کردن ورفتن میرزا کامران پیش اسلام خان وازآنجا گریختن وآمدن پیش سلطان آدم ورفتن بادشاہ بخانہ سلطان آدم ونشتر زدن برچشم میرزا کامران۔

۲۸۔ فصل بیست وہشتم۔ روان شدن حضرت بادشاہ بجانب کابل وقندھار ووداع کردن میرزا کامران رابجانب مکہ معظمہ وروان شدن حضرت پادشاہ۔

۲۹۔ فصل بیست ونہم۔ عزیمت فرمودن باقبال وکامران ودولت جاودانی حضرت بادشاہ بجانب ہندوستان وفتح کردن آن دیار۔

آمدیم برسر حکایت جنگ عمرخان کاکڑ مشارٌالیہ باد وازدہ ہزار سوار میخواست کہ طرف ملتان پیران پرگنہ جوی وپرگنہ فیروز شد خود را درہندوستان میان افغانان رسانند۔

۳۰۔ فصل سی ام۔ اول فتح کردن شاہ ابوالمعالی باعمرخان کاکڑ۔

۳۱۔ فصل سی ویکم۔ فتح ونصرت درمقام باچھوارہ۔

۳۲۔ فصل سی ودوم۔ درفتح ونصرت حضرت بادشاہ درمقام سرہند وہزیمت خوردن سکندر سور وآمدیم برسر حکایت۔

۳۳۔ فصل سی وسیوم۔ دررحلت فرمودن بندگان حضرت ازدار الفنا بدار البقا وبرسریر خلافت اجلاس فرمودن حضرت ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ

وسلطانہ حکایت۔ برتخت خلافت نشستن حضرت شاہزادہ عالمیان محمد جلال الدین اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانیہ۔

یہ مکمل نسخہ ہے۔

(۲) عبدالسلام کلکشن

عبدالسلام نمبر ۲۶۰/۳۰ ف۔ سطر۔۱۳۔ تاریخ تذکرۃ الواقعات ہمایوں۔ خط نستعلیق۔ کتابت ۱۱۱۷ء۔ سائز۔ ۷" x ۱۲"۔ تصنیف۔ جوہر آفتابچی ۹۹۵ھ ورق ۱۲۸۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ علی رسول محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

بیت: بعد از حمد خدا ونعت رسول   بشنو این قصہ را بسمع قبول

۱۔ فصل اول۔ درانتقال فرمودن ازین دار بدار ناقرار بدار القرار حضرت ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی فردوس مکانی وبرسریر خلافت نشستن حضرت نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ غازی نور اللہ مضجعہ۔

۲۔ فصل دوم۔ فصل دوم درمتوجہ شدن بجانب گجرات۔ آمدیم حکایت باغبان۔

۳۔ فصل سیوم۔ تشریف آوردن باگرہ۔

۴۔ فصل چہارم۔ کوچ فرمودن حضرت بادشاہ جانب بنگالہ۔

۵۔ فصل پنجم۔ درشب خون افتادن افغانان۔

۶۔ فصل ششم۔ روان شدن حضرت بادشاہ بجانب شیرخان کرت دویم بہت جنگ۔

۷۔ فصل ہفتم۔ روان شدن حضرت بادشاہ دولاہور رسیدن دراج ورخصت گرفتن مرزا کامران بجانب کابل۔

۸۔ فصل ہشتم۔ کوچ کردن حضرت بادشاہ از مقام آچ بجانب بکھر۔

۹۔ فصل نہم۔ در نکاح آوردن حضرت بادشاہ زین المستورات عفیفہ مریم مکانی حمیدہ بانو بیگم و باز گردیدن جانب آچ۔

۱۰۔ فصل دہم۔ در کوچ کردن حضرت بادشاہ از آچ بار دوم در رہ ریگستان افتادن و بعضی مردم ہلاک شدن از بی آبی۔

۱۱۔ فصل یازدہم۔ روان شدن حضرت بادشاہ بجانب امرکوٹ و جنگ افتادن در راہ۔

۱۲۔ فصل دوازدہم۔ تولد شدن شاہزادہ عالمیان محمد اکبر خلد اللہ ملکہ در مقام امرکوٹ۔

۱۳۔ فصل سیزدہم۔ پیشکش فرستادن شاہ حسین میرزا و کوچ کردن بادشاہ بجانب قندہار۔

۱۴۔ فصل چہاردہم۔ روان شدن حضرت بادشاہ بجانب شاہ عالم پناہ طہماسپ صفوی

۱۵۔ فصل پانزدہم۔ در بدست کردن ہمایوں بادشاہ را ملازمان مرزا کامران نزد شاہ عالم پناہ۔

۱۶۔ فصل شانزدہم۔ در رخصت کردن شاہ عالم پناہ حضرت بادشاہ را۔

۱۷۔ فصل ہفتدہم۔ مشرف شدن مرزا عسکری در خدمت بادشاہ و بدست آمدن قلعہ قندھار۔

۱۸۔ فصل ہزدہم۔ وفات یافتن پسر شاہ عالم پناہ و بدست آمدن قلعہ قندھار۔

۱۹۔ فصل نوزدہم۔ در بیان دست آوردن کابل و گریختن میرزا کامران مرتبہ اول بجانب بھکر و جنگ کردن حضرت بادشاہ با سلیمان میرزا در مقام تیرگران و فتح کردن۔

۲۰۔ فصل بیستم۔ باز آمدن کامران میرزا بجانب کابل از بھکر۔

۲۱۔ فصل بیست و یکم۔ گریختن کامران میرزا و فتح کردن حضرت بادشاہ او در قلعہ کابل در آمدن و رفتن میرزا کامران بجانب قلعہ ظفر و جنگ کردن با میرزا سلیمان و ہزیمت خوردن میرزا کامران و رفتن پیش اوزبگان۔

۲۲۔ فصل بیست و دوم۔ فال بشارت گرفتن حضرت بادشاہ کہ مرغ بر کتف ایشان آمدہ نشست و قبیل کردن قلعہ تالقان کہ میرزا کامران در آن محاصرہ شدہ بود چنین است۔

۲۳۔ فصل بیست و سیوم۔ بدست آوردن قلعہ تالقان و مشرف شدن میرزا کامران و خلاص شدن میرزا عسکری و روان شدن حضرت بادشاہ جانب بلخ۔

گفتن حضرت بادشاہ حکایت سلطان محمد غزنوی و یعقوب لیث۔

۲۴۔ فصل بیست و چہارم۔ جنگ شدہ قبچاق و زخم شمشیر رسیدن حضرت بادشاہ۔

۲۵۔ فصل بیست و پنجم۔ بعد جنگ قبچاق و فرود آمدن حضرت بادشاہ در مقام اولیا قبچاق و آمدن میرزا مراتب بادشاہی بنظر گزرانید و میرزا کامران از جنگ گاہ بدر آمدند و قلعہ کابل بدست میرزا کامران آمدن و شاہزادۂ عالمیان را در قلعہ کردن۔ آمدیم در حکایت میرزا کامران۔

۲۶۔ فصل بیست و ششم۔ ہزیمت خوردن میرزا کامران و کشتہ شدن قراچا قرا بخت در مقام اشترگران و رفتن میرزا کامران پیش خلیل افغان و شہادت یافتن میرزا ہندال۔ آمدیم در حکایت شاہزادہ عالمیان محمد اکبر۔

۲۷۔ فصل بیست و ہفتم۔ تاختن بادشاہ زادہ بر سر افغانان و فتح نمودن و تاراج و بند کردن و رفتن میرزا کامران پیش اسلام خان سور و از انجا گریختن و آمدن پیش سلطان آدم و رفتن بادشاہ بخانہ سلطان آدم و نشتر زدن بر چشم میرزا کامران۔

۲۸۔ فصل بست و دہم۔ روان شدن حضرت بادشاہ بجانب کابل و قندھار و وداع

کردن میرزا کامران را بجانب مکہ معظمہ و روان شدن ۔

۲۹۔ فصل بست و نہم ۔ عزیمت فرمودن باقبال و کامران و دولت جاویدان حضرت بادشاہ بجانب ہندوستان و فتح کردن آن دیار ابیات ۔ آمدیم برسر حکایت ۔

آمدیم برسر حکایت جنگ عمر خان کاکڑ مشارٌ الیہ با دوازدہ ہزار سوار می خواست کہ طرف ملتان پرمان پرگنہ جوہی و پرگنہ فیروز پور شدہ خود را در ہندوستان میان افغانان برساند۔

۳۰۔ فصل سی ام ۔ فتح اول کردن شاہ ابو المعالی با عمر خان کاکڑ ۔

۳۱۔ فصل سی و یکم ۔ فتح و نصرت در مقام باچھوارہ ۔

۳۲۔ فصل سی و دویم ۔ در فتح و نصرت حضرت بادشاہ در مقام سرہندہ ہزیمت خوردن سکندر سور آمدید برسر حکایت ۔

۳۳۔ فصل سی و سیوم ۔ در رحلت فرمودن بندگان حضرت از دار الفنا بدار البقار و برسریر خلافت اجلاس فرمودن حضرت ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانیہ آمدیم در حکایت بر تخت خلافت نشستن حضرت شاہزادہ عالمیان ۔

مکمل نسخہ ہے ۔

(۳) یونیورسٹی کلکشن

تذکرۃ الواقعات ہمایونی (مکمل)

تصنیف جوہر آفتابچی ہمایوں بادشاہ یونیورسٹی نمبر ۔ ۱۰۹ فارسیہ اخبار

ورق ۔ ۱۳۰ ۔ سطر ۔ ۱۳

سائز ۔ "۶ × "۹

فصول ۔ ۳۳

ابتدا ۔ الحمد للہ رب العلمین و الصلوۃ علی رسول و آلہ و اصحابہ اجمعین ۔

ابتدائی بیت : بعد از حمد خدا و نعت رسول — بشنو این قصہ را بسمع قبول

فارسی اخبار ف ا خ ۔ ۱۰۹ ۔ کرم خوردہ خستہ اوراق ۔ عبارت صاف ہے ۔ قابل خواندنی ۔

۱۔ فصل اول ۔ در انتقال فرمودن از این دار بیمدار ناقرار بدار القرار حضرت ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ ۔

۲۔ فصل دوم ۔ در متوجہ شدن بجانب گجرات ۔ آمدیم حکایت باغبان

۳۔ فصل سیوم ۔ تشریف آوردن باگرہ ۔

۴۔ فصل چہارم ۔ کوچ فرمودن حضرت بادشاہ جانب بنگالہ ۔

۵۔ فصل پنجم ۔ در شبخون افتادن افغانان

۶۔ فصل ششم ۔ روان شدن حضرت بادشاہ بجانب شیر خان کرت دوم بجہت جنگ ۔

۷۔ فصل ہفتم ۔ روان شدن حضرت بادشاہ در لاہور و رسیدن در آج و رخصت گرفتن میرزا کامران بجانب کابل ۔

۸۔ فصل ہشتم ۔ کوچ کردن حضرت بادشاہ از مقام آج بجانب بکھر ۔

۹۔ فصل نہم ۔ در نکاح آوردن حضرت بادشاہ زین المستورات عفیفہ مریم مکانی حمیدہ بانو بیگم و باز گردیدن جانب آج ۔

۱۰۔ فصل دہم ۔ در کوچ کردن حضرت بادشاہ از آج بار دویم در رہ ریگستان افتادن و بعضی مردم ہلاک شدن از بی آبی ۔

۱۱۔ فصل یازدہم ۔ روان شدن حضرت بادشاہ بجانب امر کوٹ و جنگ افتادن در راہ ۔

۱۲- فصل دوازدہم - تولد شدن شاہزادہ عالمیان محمد اکبر خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ
درمقام امرکوٹ -

۱۳- فصل سیزدہم - پیشکش فرستادن شاہ حسین مرزا و کوچ کردن بادشاہ
بجانب قندہار -

۱۴- فصل چہاردہم - روان شدن حضرت بادشاہ بجانب شاہ عالم پناہ -

۱۵- فصل پانزدہم - درمذمت کردن ہمایوں بادشاہ را ملازمان میرزا کامران
نزد شاہ عالم پناہ -

۱۶- فصل شانزدہم - در رخصت کردن شاہ عالم پناہ حضرت بادشاہ را -

۱۷- فصل ہفدہم - مشرف شدن میرزا عسکری درخدمت بادشاہ و بدست آمدن
قلعہ قندھار -

۱۸- فصل ہژدہم - وفات یافتن پسر شاہ عالم پناہ و بدست آمدن قلعہ قندھار -

۱۹- فصل نوزدہم - دربیان دست آوردن کابل و گریختن مرزا کامران مرتبہ اول
بجانب بھکر و جنگ کردن حضرت بادشاہ با سلمان مرزا درمقام تیرگران و فتح کردن -

۲۰- فصل بیستم - باز آمدن کامران مرزا کامران بجانب کابل از بھکر -

۲۱- فصل بیست و یکم - گریختن کامران میرزا و فتح کردن حضرت بادشاہ او در
قلعہ کابل درآمدن و رفتن میرزا کامران بجانب قلعہ ظفر و جنگ کردن میرزا سلمان ہزیمت
خوردن میرزا کامران و رفتن بہ اوزبکان -

۲۲- فصل بیست و دویم - فال بشارت گرفتن حضرت بادشاہ کہ مرغ بر کتف ایشان
آمدہ نشست و قبل کردن قلعہ تالقان کہ میرزا کامران دران محاصرہ شدہ بود چنین است -

۲۳- فصل بیست و سیوم - بدست آوردن قلعہ تالقان و مشرف شدن میرزا
کامران و خلاص شدن میرزا عسکری و روان شدن حضرت بادشاہ جانب بلخ - گفتن حضرت
بادشاہ حکایت سلطان محمود غزنوی و یعقوب لیث -

۲۴- فصل بیست و چہارم - جنگ شدن قبچاق و زخم شمشیر رسیدن بحضرت بادشاہ -

۲۵- فصل بیست و پنجم - بعد جنگ قبچاق و فرود آمدن حضرت بادشاہ درمقام اولیا
قبچاق آمدن میرزا ہندال مراتب بادشاہی بنظر گذراند و میرزا کامران از جنگ گاہ بدرآمدن
و قلعہ کابل بدست میرزا کامران آمدن و شاہزادہ عالمیان را در قید کردن -

آمدیم در حکایت میرزا کامران -

۱۶- فصل بیست و ششم - ہزیمت خوردن میرزا کامران و کشتہ شدن قراچا قرابخت
درمقام شترگران و رفتن میرزا کامران پیش خلیل افغان و شہادت یافتن میرزا ہندال -

۲۷- فصل بیست و ہفتم - تاختن بادشاہ زادہ بر سر افغانان و فتح نمودن و تاراج
و بند کردن و رفتن میرزا کامران پیش اسلام خان سور و از انجا گریختن و آمدن پیش سلطان
آدم و رفتن بادشاہ بخانہ سلطان آدم و نشتر زدن بر چشم میرزا کامران -

۲۸- بیست و ہژدہم - روان شدن حضرت بادشاہ بجانب کابل و قندھار
و وداع کردن مرزا کامران را بجانب مکہ معظمہ و روان شدن -

۲۹- فصل بیست و نہم - عزیمت فرمودن با قبال و کامران و دولت جاویدانی
حضرت بادشاہ بجانب ہندوستان و فتح کردن آن دیار - آمدیم بر سر حکایت جنگ
عمر خان کاکڑ مشارٌالیہ با دوازدہ ہزار سوار میخواست کہ طرف ملتان میان پرگنہ جوہی
و پرگنہ فیروز پور شدہ خود را در ہندوستان میان افغان برساند -

۳۰۔ فصل سی ام۔ فتح اول کردن شاہ ابوالمعالی با عمر خاں کاکڑ۔

۳۱۔ فصل سی و یکم۔ فتح و نصرت در مقام باچھواڑہ۔

۳۲۔ فصل سی و دوم۔ در فتح و نصرت حضرت بادشاہ در مقام سرہند و ہزیمت خوردن سکندر سور۔ آمدیم بر سر حکایت۔

۳۳۔ فصل سی و سیوم۔ در رحلت فرمودن بندگان حضرت از دار الفنا بدار البقا بر سر خلافت اجلاس فرمودن حضرت ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ۔ آمدیم در حکایت بر تخت خلافت نشستن حضرت شاہزادہ عالیان۔

کاتب کا نام اس نسخہ میں درج نہیں ہے

(۴) حبیب گنج کلکشن

ف ۳۲/۱۸۳ تذکرۃ الواقعات ہمایونی : مولفہ اکبر جوہر آفتابچی ۹۹۵ھ

ابتدا۔ الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ علی محمد والہ واصحابہ۔

کتابت۔ محمد رمضان بیگ مغل بٹالوی۔

خط نستعلیق۔ ورق ۸۴

سطر ۱۴۔ سائز ۷ × ۱۰.۵ کرم خوردہ وخستہ اوراق ہیں۔

بیت : بعد از حمد خدا و نعت رسول بشنو ایں قصہ را بسمع قبول

۱۔ فصل اول۔ انتقال نمودن از ین دار بیمدار ناقرار با دار القرار حضرت ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی فردوس مکان و بر سر خلافت نشستن حضرت نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ غازی نور اللہ مضجعہ۔

۲۔ فصل دوم۔ متوجہ شدن بندگان حضرت بادشاہ بدولت و اقبال و کامرانی بجانب ملک گجرات در فتح نمودن آن ولایت و بقتل رسانیدن۔

۳۔ فصل سیوم۔ تشریف آوردن حضرت بادشاہ باگرہ۔

۴۔ فصل چہارم۔ کوچ فرمودن حضرت بادشاہ بجانب بنگالہ۔

۵۔ فصل پنجم۔ شب خون افتادن افغانان۔

۶۔ فصل ششم۔ روان شدن حضرت بادشاہ بجانب شیر خاں بجہت جنگ۔

۷۔ فصل ہفتم۔ روان شدن حضرت بادشاہ در لاہور و رسیدن در آج و رخصت گرفتن میرزا کامران بکابل۔

۸۔ فصل ہشتم۔ کوچ کردن حضرت بادشاہ از مقام آج بجانب بھکر۔

۹۔ فصل نہم۔ در نکاح آوردن حضرت بادشاہ زین المستورات عفیفہ مریم مکانی حمیدہ بانو بیگم و باز گردیدن آج۔

۱۰۔ فصل دہم۔ در کوچ کردن حضرت بادشاہ از آج بار دوم و براہ ریگستان افتادن و بعضی مردم ہلاک شدن از بی آبی۔

۱۱۔ فصل یازدہم۔ روان شدن حضرت بجانب امرکوٹ و جنگ افتادن در راہ آمدیم بر سر حکایت۔

۱۲۔ فصل دوازدہم۔ تولد شدن شاہزادہ عالیان محمد اکبر خلد اللہ ملکہ در مقام امرکوٹ۔

۱۳۔ فصل سیزدہم۔ پیش کش فرستادن شاہ حسین میرزا کوچ کردن بادشاہ بجانب قندھار۔

۱۴۔ فصل چہاردہم۔ روان شدن حضرت بادشاہ بجانب سیستان۔

۱۵۔ فصل پانزدہم۔ در مذمت کردن ہمایوں بادشاہ را ملازمان کامران مرزا نزد

شاہ عالم پناہ۔

۱۶۔ فصل شانزدہم۔ در رخصت کردن شاہ عالم پناہ حضرت بادشاہ را بعد باداں درروان شدن ایشان بجانب قندھار

۱۷۔ فصل ہفدہم۔ مشرف شدن میرزا عسکری در خدمت بادشاہ بدست آمدن قلعہ قندھار

۱۸۔ فصل ہژدہم۔ وفات یافتن پسر شاہ عالم پناہ شاہ طہماسپ صفوی و بدست آمدن قلعہ قندھار۔

۱۹۔ فصل نوزدہم۔ دربیان دست آوردن کابل و گریختن مرزا کامران مرتبہ اول بجانب بھکر و جنگ کردن حضرت با سلیمان مرزا در مقام تیرگران و فتح کردن آن۔

۲۰۔ فصل بیستم۔ باز آمدن مرزا کامران از بھکر و مردم را ایذا رسانیدن و بدست آوردن شاہزادہ محمد جلال الدین اکبر۔

۲۱۔ فصل بیست و یکم۔ گریختن کامران مرزا و فتح کردن حضرت بادشاہ او در قلعہ در آمدن و تاختن مرزا کامران بجانب قلعہ ظفر و جنگ کردن با مرزا سلیمان و ہزیمت خوردن کامران مرزا و پیش اوزبکان رفتن۔

۲۲۔ فصل بیست و دوم۔ فال بشارت گرفتن حضرت بادشاہ کہ مرغ بر کتف ایشان آمد نشست و قبل کردن قلعہ تالقان کہ مرزا دران محاصرہ شدہ بود۔

۲۳۔ فصل بیست و سیوم۔ بدست آوردن قلعہ تالقان و مشرف شدن مرزا کامران و خلاص مرزا عسکری و روان شدن حضرت بادشاہ بجانب بلخ۔ گفتن حضرت بادشاہ حکایت سلطان محمود غزنوی و یعقوب لیث۔

۲۴۔ فصل بیست و چہارم۔ جنگ شدن قبچاق و زخم شمشیر رسیدن بحضرت بادشاہ۔

۲۵۔ فصل بیست و پنجم۔ بعد جنگ قبچاق و فرود آمدن حضرت بادشاہ در مقام اولیا چنجا و آمدن مرزا ہندال مراتب بادشاہی بنظر گذراند و مرزا کامران از جنگ گاہ بدر آمدن و قلعہ کابل بدست مرزا کامران آمدن و شاہزادہ عالمیان را قید کردن۔

۲۶۔ فصل بیست و ششم۔ ہزیمت خوردن مرزا کامران و کشتہ شدن قراچا قرابخت در مقام استرگران و رفتن مرزا کامران پیش خلیل افغان و شہادت یافتن مرزا ہندال۔ آمدیم در حکایت شاہزادہ عالمیان جلال الدین محمد اکبر۔

۲۷۔ فصل بیست و ہفتم۔ یافتن حضرت بادشاہ زادہ بر سر افغانان و فتح نمودن و تاراج و بند کردن و رفتن میرزا کامران پیش اسلام خان سور و از آنجا گریختن و آمدن پیش سلطان آدم و رفتن حضرت بخانہ سلطان آدم و نشتر زدن بر چشم مرزا کامران۔

۲۸۔ فصل بیست و ہشتم۔ روان شدن حضرت بادشاہ بجانب کابل و قندھار و وداع کردن مرزا کامران را بجانب مکہ معظمہ۔

۲۹۔ فصل بیست و نہم۔ عزیمت فرمودن باقبال و کامران و دولت جاودان حضرت بادشاہ بجانب ہندوستان و فتح کردن آن دیار۔ آمدیم بر سر حکایت جنگ عمر خان کاکڑ کہ شاہ الیہ با دوازدہ سوار می خواہد کہ صرف ملتان پیران پرگنہ دجوی و فیروز پور شدہ خود را در ہندوستان میان افغانان برساند۔

۳۰۔ فصل سی ام۔ فتح کردن شاہ ابوالمعالی با عمر خان کاکڑ۔

۳۱۔ فصل سی و یکم۔ فتح و نصرت در مقام ماچھوارہ۔

۳۲۔ فصل سی و دوم۔ در فتح و نصرت حضرت بادشاہ در مقام سرہند ہزیمت خوردن سکندر سور۔

۳۳۔ فصل سی و سیوم۔ در رحلت فرمودن بندگان حضرت بادشاہ از دار الفنا بدار البقاء و بر سر بر خلافت اجلاس فرمودن حضرت ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ۔ حکایت بر تخت خلافت نشستن حضرت شاہزادہ عالمیان محمد جلال الدین اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ۔

حضرت مخدوم عبدالحقؒ ساوائی القادری البیجاپوری

از جناب عبید اللہ ایم۔ اے۔ مدراس

قربی بتو قربان شد از کفر مسلمان شد   ہم جسم شد و جان شد مخدوم ز تو مستم

مندرجہ بالا شعر اس غزل کا مقطع ہے جس کو حضرت ابوالحسن قربی ویلوری (حضرت مکان) نے اپنی تصنیف 'ملفوظات مخدوم ساوائی' میں تحریر کیا ہے۔ یہ ملفوظات حضرت مخدوم عبدالحق ساوائیؒ کے حالات کے سلسلہ میں ایک اہم ماخذ ہے۔ حضرت قربیؒ مخدوم صاحب کے خلیفہ تھے۔

نام محمد مخدوم لقب عبدالحق عرف دستگیر صاحب، ہندوؤں میں 'گیان بھنڈاری' کے نام سے موسوم و معروف ہوئے۔ حضرت دستگیر صاحبؒ کے صاحبزادے حاجی شاہ محمود ساوائی القادری نے اپنے صاحبزادے شاہ حسین کے لیے اپنی زندگی کے مختلف تجربات مختلف رسائل میں ایک بیاض کی شکل میں ۱۱۹۹ھ میں مرتب فرمائے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک رسالہ 'دعا الانبیاء حصول جمیع المدعا' میں اپنے نسب کی جانب یوں اشارہ کیا ہے:

"امابعد میگوئید فقیر الی اللہ شاہ محمود ساوی ابن مخدوم ساوی القادری وہو عن اولاد یوسف عادل شاہ ساوائی البیجاپوری ابن سلطان مراد وہو عن اولاد سلطان عثمان الترکمان جد السلاطین الروم۔"

اس تحریر سے یہ واضح ہے کہ حضرت دستگیر صاحبؒ کا تعلق سلاطین روم سے تھا۔ حضرت دستگیر صاحبؒ کے والد ماجد کا نام عبدالنبی آغا اور ان کا شجرۂ نسب یوسف عادل شاہ (بیجاپور) سے جا ملتا ہے۔ پیدائش بیجاپور میں ہوئی۔ ابھی سات سال کے تھے کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا۔ جب جوانی کی عمر آئی تو والد ماجد کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔

حضرت دستگیر صاحبؒ نے اپنے آباء و اجداد کی ایک طاقتور سلطنت بیجاپور کو عالمگیری فوجوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوتے دیکھا لیکن ایسے موقع پر بھی ان کے قدم ڈگمگائے نہیں۔ دنیا کے مقابل دین کو پسند کیا۔ درویشی اختیار کی۔ خدا طلبی کا ذوق پیدا ہوا۔ دن رات اسی دھن میں لگے رہتے تھے۔ اس زمانہ میں ان کو عالم رؤیا میں حضرت سید محمد حسینی گیسودراز خواجہ بندہ نوازؒ کی زیارت نصیب ہوئی۔ عالم رؤیا میں ہی حضرت خواجہ بندہ نوازؒ نے ان کو ایک تلوار اور ایک کٹار عنایت کی۔ جب بیدار ہوئے تو ایک جذبہ ان پر طاری تھا اور اسی عالم میں وہ گھر سے نکل پڑے۔ اپنی ہمشیرہ عزیزہ سے ملاقات کے لیے بسمتھ نگر (پال گھاٹ) کے لیے روانہ ہوئے۔ جوں جوں بسمتھ نگر کی طرف بڑھتے گئے یہ جذبہ کم ہوتا گیا۔ اپنی ہمشیرہ عزیزہ کے مکان پہونچے تو وہاں مشہور بزرگ حضرت شاہ ناصر الدین ابن جلال الدین قادریؒ سے ملاقات ہوئی ان کو دیکھ کر حضرت دستگیر صاحبؒ کا جذبہ ٹھنڈا ہوگیا۔ شاہ ناصر الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدتوں فیض حاصل کیا۔ علوم ظاہری و باطنی میں ید طولیٰ اور فن مناظرہ میں کمال پیدا کیا۔

حج بیت اللہ | دستگیر صاحب مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور حج سے مشرف ہوئے۔

مدینہ منورہ میں تین سال تک قیام فرمایا اور ہندوستان واپس چلے آئے۔

رشد و ہدایت کی تعلیم مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد زندگی کا بیشتر حصہ رشد و ہدایت میں گزارا۔ جنوبی ہند میں گلبرگہ، کالگی اور بیجاپور تشریف لے گئے۔ شمالی ہند میں دہلی، لاہور اور بنگلہ کا سفر کیا، جس کا ذکر ملفوظات میں آیا ہے۔ لاہور میں شاہ محمد سعید سے ملاقات فرمائی اور لکھا ہے کہ یہ ایک ہی شخص تھے جو قال صحیح کا علمبردار تھے، لاہور سے دہلی آئے اور فتح خاں نامی ایک مشہور عالم سے ملاقات ہوئی جو مثنوی کے معانی و مطالب سمجھانے میں نہایت مشہور تھے۔ یہاں ایک معرکہ آرا مباحثہ ہوا۔ دہلی کی طرح بنگلہ میں بھی ایک مباحثہ قاضی عنایت اللہ خاں سے پیش آیا تھا جو بالآخر ان کے معتقد و مرید ہوئے اور فیض حاصل کیا، رشد و ہدایت کے لیے بیرونی ممالک سماٹرا، جاوا اور ملایا کا بھی سفر کیا۔ وہ جنوبی ہند کے ان صوفیائے کرام میں سے ایک تھے جنھوں نے تبلیغ اسلام کے لیے ان جزائر کا سفر کیا۔ سماٹرا کے اسلامی دارالسلطنت 'اچھی' میں دو سال تک قیام فرمایا۔ اپنے معرکہ آرا مباحثے و مناظرے سے 'اچھی' میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ ملایا میں بمقام 'قدح' کئی سال رہے۔ اپنی بعض کتابیں جیسے 'مفتاح التفاسیر' اور 'غایت التمثیل' وہیں تصنیف فرمائیں۔

اخلاق حمیدہ حضرت دستگیر صاحبؒ، نہایت خلیق، حلیم الطبع، متواضع، شفیق اور صاف گو تھے۔ رواداری، کسر نفسی اور خدا ترسی بدرجۂ اتم ان میں موجود تھی۔ صوفیائے کرام کی طرح اپنے لیے فقر و فاقہ اور تنگی کو ہی پسند کیا کرتے تھے کہ میں نے اور میرے پیر و مرشد (شاہ ناصر الدینؒ) نے بڑے سخت دن گزارے ہیں۔ چھ ماہ تک تو یہ حالت تھی کہ چار چار دن کا فاقہ بھی ہوا کرتا تھا۔ پیر میں جوتا نہیں، جسم پر صرف ایک بوسیدہ کفنی، صبر و استقلال کا یہ عالم تھا کہ کبھی پیشانی پر بل نہیں آیا اور فرمایا کرتے تھے کہ پیر و مرشد کا تصرف ہے کہ

حضرت شاہ میر کو ہم دونوں کی خستہ حالی کا علم کشف سے بھی نہیں ہو سکا۔ ان کی زندگی متوکلانہ بسر ہوتی تھی۔ ملفوظات میں ایک جگہ ارشاد ہوا "ہم عرصہ دراز سے کثیر متعلقین کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بغیر سوال کے وہ ہمارے سب کام پورے کر دیتا ہے"۔ انھوں نے اپنے مریدوں اور معتقدین کو بھی یہی تعلیم دی ہے کہ متوکل رہو۔ کسب معیشت اور اکل حاصل کرو۔

تصوف وہ قال صحیح یعنی صحیح تعلیم تصوف کے حامی تھے۔ شریعت غرا کا نہایت درجہ لحاظ و پاس تھا۔ ملحدین اور کچھ صوفیوں کے لیے شمشیر برہنہ تھے۔ ان کے مسلک میں طریقت اور شریعت دونوں الگ نہیں تھے۔ ان کا مسلک شریعت اور طریقت کا جامع تھا۔ اپنے معتقدین کو بھی یہی تعلیم دی۔

تصانیف حضرت دستگیر صاحبؒ کے متعدد تصانیف ہیں۔ کتب خانہ مدرسہ محمدی باغ دیوان صاحب مدراس میں کچھ تصانیف موجود ہیں۔ ان مخطوطات کی ذیل میں تفصیل دی گئی ہے۔

۱۔ **دلیل محکم**: شمارہ نمبر (۵۶۸۰) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۱۸۴، تقطیع ۱۴ × ۲۰، نوع خط نستعلیق۔

آغاز:۔ الحمد للہ رب العالمین .... عبد ضعیف عبدالحق محمد مخدوم القادری البیجاپوری رسالہ کہ مسمے باختصار دلیل محکم است در ۱۱۳۵ھ بعد یکسال تالیف دلیل محکم بظہور انجامید و ثواب آن ہدیہ بندر پاک حضرت رسول الثقلین رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم وصحبہ وسلم .... مراد از توحید مطلق حقیقے و مسئلہ وحدۃ الوجود مطابق نفس الامر کہ آن عین وجود و ذات حق تعالیٰ است ....

۲۔ **رسالہ میزان المعانی**: شمارہ نمبر (۶۲۹) زبان فارسی، موضوع تصوف،

صفحات ۲۰، تقطیع ۱۵ × ۲۱½، نوع خط نستعلیق۔

آغاز :- سپاس بیحد و ستایش ..... امابعد نہذا الکتاب کہ مسمے است بمیزان المعانی ازبرائے فرزند عزیز وسایر صاحبدلان و سالکان من اہل سلوک والتحقیق درعلم حقایق وسلوک از قواعد اولیت وآخریت وظاہریت و باطنیت وقانونات کلیات وجزیات ترقیم یافت وماتوفیقی الا باللہ وھو حسبی نعم الوکیل .....

۳۔ رسالہ قبض وبسط : شمارہ نمبر (۵۶۵۴) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۲۰، تقطیع ۱۵ × ۲۳، نوع خط نستعلیق۔

آغاز :- الحمد للہ رب العالمین ... فقیر حقیر محمد مخدوم القادری البیجاپوری ابن عبدالنبیؒ میگوئید این رسالہ مسمے بقبض وبسط کہ در تحقیقات روح وجسم نسبتے کہ ثابت است درمیان ہردو وغیر ذلک و درین باب توفیق وکمال از حق سبحانہ تعالیٰ .....

۴۔ رسالہ غایت التمثیل : شمارہ نمبر (۶۳۰) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۶، تقطیع ۱۵ × ۲۱½، نوع خط نستعلیق

آغاز :- الحمد للہ رب العالمین ... میگوئید عبد ضعیف محمد مخدوم القادری البیجاپوری تحقیق مثالے کہ فیما بین نسبت مظہر وغیب ومظاہر خارجی ثابت است سمیتہ بغایۃ التمثیل وان قیل مدار الحقایق واصل التصوف وامراۃ[1] السالکین ومیزان الوحدۃ الوجود ومفتاح الاسرار وحل المعمات والمشکلات وجامع الاضداد والمنافات ینا سبہ

۵۔ رسالہ بیان واقعی :- شمارہ نمبر (۶۳۱) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۴، تقطیع ۱۵ × ۲۱½، نوع خط نستعلیق

[1] معارف : غالباً یہ مرأۃ ہوگا۔

آغاز :- الحمد للہ رب العالمین ..... بدان اسعدک اللہ فی الدارین در ذرہ دربیان اسرار حدیث علی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ در آن اشارات شش مراتب یافتہ میشود یعنی ذات وصفات اللہ سبحانہ وتعالیٰ وذات وصفات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذات وصفات کلی بموافق مذہب اہل تحقیق وجامع الشریعت والحقیقت وخلاف مذہب اہل تقلید گفتہ وعلیہ می آید واللہ الموافق وآن حدیث اینست انا من نور اللہ کل شئی من نوری .....

۶۔ رسالہ حیات جان : شمارہ نمبر (۵۶۴۲) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۲۶، تقطیع ۱۲½ × ۲۰، نوع خط نستعلیق۔

آغاز :- الحمد للہ رب العالمین .... العبد الضعیف القادری البیجاپوری رسالہ در علم سلوک مسمے بحیات جان ازبرای تنبیہ وترغیب خود وسایر عارفان ہم مشرب وسالکان ہم جنس املا مینماید بدان ارشدک اللہ تعالیٰ ..... بعد درست شدن علم توحید حقیقے وصول مسئلہ وحدت الوجود ولوازمات آن یعنے بعد تحقیق وحدت و کثرت وغیب وشہادت اتصال وانفصال جمع تفرقہ داخل وخارج ظاہر وباطن خلق وخالق یعنے روح وارواح قلب ومثال جسم واجسام کہ این مراتب ظاہر وخلق است ....

۷۔ رسالہ اصطلاحات صوفیہ : شمارہ نمبر (۵۶۴۷) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۸، تقطیع ۱۲½ × ۲۰، نوع خط نستعلیق۔

آغاز :- الحمد للہ رب العالمین ... بدان العزیز باتمیز کہ این رسالہ الیست مشتمل دربیان مراتب ستہ باصطلاح اہل تصوف مراتب مذکورہ را بدین نام خوانند ہاہوت، ماہوت، لاہوت، جبروت، ملکوت، ناسوت مراد از تعین مرتبہ ذات است و

ازباہوت تعین اول وازلاہوت تعین ثانی وازجبروت جوہر اول وازملکوت عالم ارواح وعالم مثال وازناسوت عالم ملک وشہادت ....

۸۔ رسالہ طریقۃ القویم فی طب صراط المستقیم : شمارہ نمبر (۵۶۴۶) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۸، تقطیع ۱۲½ × ۲۰

آغاز :۔ الحمد للہ رب العلمین .... امابعد بدان ہداک اللہ تعالے و لنا صراط المستقیم فی دارین کہ باتفاق جمیع، اہل ظاہر رحمۃ اللہ علیہم واہل باطن قدس اللہ تعالے اسرارہم حق سبحانہ وتعالے وبجمیع صفات کمال موصوف وصفات کاملہ او نیز قدیم وباقی وازجمیع صفات نقصان پاک وہمیشہ بصفات کمال موصوف است و موصوف بان خواہد بود وترقی را در صفات کمال او راہ نیست کہ ترقی را موجب نقصان است وہمچنیں تنزل ونقصان را در صفات کمال او گنجایش کہ آن عین نقصان است او غیر او ہمہ حادث ومخلوق ....

۹۔ رسالہ اختصار حیات جان : شمارہ نمبر (۵۶۴۳) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۱۶، تقطیع ۱۲½ × ۲۰، نوع خط نستعلیق۔

آغاز :۔ الحمد للہ رب العالمین .... میگوئید عبد ضعیف محمد مخدوم القادری البیجاپوری اختصار رسالہ حیات جان کہ کاتب را مطالب صادق را باید کہ اولاً در خالق وغیب سہ مراتب کلے بداند اگرچہ جزئیات مراتب قدم بسیار وپے صد است چنانچہ احدت وحدت وواحدیت وآنچہ احکام وکمال وجوب وقدم نقوش وتنزیہ کہ لائق ذات است اوست منسوب باو را وصاف کمال کہ معری از نقصانست بجانب او اطلاق کردہ باشد ....

رسالہ کے آخر میں یہ رباعی ہے :

چشم ہمہ اشک گشت وچشم بگریست — در عشق تو بی جسم ہمی باید زیست
از من اثری نماند بس عشق از چیست — چون من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

۱۰۔ رسالہ زاد الطالبین : شمارہ نمبر (۵۶۴۲) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۶، تقطیع ۱۲½ × ۲۰، نوع خط نستعلیق۔

آغاز :۔ الحمد للہ رب العالمین :.... میگوئید عبد ضعیف امیدوار شفاعت محمدی محمد مخدوم القادری البیجاپوری این رسالہ کہ مسمی زاد الطالبین است ذات ذوالجلال والاکرام واحد یک است ومظہر او نیز یک است کہ او را مظہر اتم وبندہ ومخلوق وانسان کامل گویند.....

۱۱۔ رسالہ جوامع الاسرار : شمارہ نمبر (۵۶۴۴) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۳۰، تقطیع ۱۲½ × ۲۰، نوع خط نستعلیق۔

آغاز :۔ الحمد للہ رب العالمین .... میگوئید بندۂ ضعیف خاکپائے جمع اولیا خصوصاً خواجگان قادریہ فلاں بن فلاں مسودہ چند کلمات عالیہ را مسمے بجوامع الاسرار کرد وثواب آنرا بہ بساط بوستان روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گذرانید بدان اسعدک اللہ تعالی فی الدارین در خالق مطلق پنج مراتب کلی است....

۱۲۔ غنیمت الوقت : شمارہ نمبر (۵۶۵۰) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۱۱۴، تقطیع ۱۷½ × ۲۲، نوع خط نستعلیق۔

آغاز :۔ الحمد للہ الذی ...... سوال از کتاب غنیمت الوقت ہر طالب ومرید اللہ سبحانہ وتعالی کہ ہست وہر مقرب وواصل مولی تعالی کہ منتہی

است صحبت بکدام مرد دارد و ترک صحبت با کدام اشخاص کند جواب العزیز واق تمیز
از برائے صحبت و رفاقت اولا درمیان ہر دو مجالست کامل باید در مصاحب محفل
و تمیز و عشق و محبت و عدل و انصاف بود تا نیا ہم دین و ہم مذہب و ہم راہ و ہم مشرب باشد....

۱۴ کشف الایمان: شمارہ نمبر (۵۰۳۸) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۵۶، تقطیع ۱۸½ × ۲۸، نوع خط نستعلیق۔

آغاز: حمد و سپاس پروردگار عالم.... اما بعد بدان کہ بنائی مسلمانی بر پنج رکن است، رکن اول ایمان بوحدت واحد حقیقی حق سبحانہ وحقیقت عبد و رسول او محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وکلمہ شہادت اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ متضمن آن دو رکن است یکی وحدت حق و دیگر حقیقت عبد دوم پنج وقت نماز گزاردن، سوم روزہ رمضان المبارک داشتن، چہارم زکوٰۃ حال دادن چون صاحب نصاب باشد، پنجم حج بجا آوردن چون صاحب استطاعت بود....

۱۵ رسالہ مفتاح التفاسیر: شمارہ نمبر (۳۱۹) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۶۶، تقطیع ۱۵½ × ۲۱، نوع خط نستعلیق۔

آغاز: حمد و ثنا مر آن احد..... میگوئید عبد ضعیف محتاج برحمت و بخشش وہاب الکریم الرحیم..... محمد مخدوم القادری البیجاپوری ابن عبدالنبی ساوی رحمۃ اللہ علیہ بانیکہ مسمی بدیباچہ مفتاح التفاسیر است و نیز قبل از شروع کردن ہر آیہ بجانب محل او بعد ثبوت معنی ظاہری و باطنی و احکام آن تفصیلا و اجمالا استشہاد از کتاب سنت و اقوال بزرگان این فن قدس اللہ اسرارہم اجمالا بر مدعا خویش تمہید کردہ خواہد شد....

۱۶ رسالہ مفتاح الغیب: شمارہ نمبر (۳۱۸) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۱۰، تقطیع ۱۵½ × ۲۵، نوع خط نستعلیق۔

آغاز: الحمد للہ رب العالمین...... ہمیں معلوم میشود کہ تعلیم کردن علم اسرار و تحقیق آن چنانچہ ہادی برحق و خالق مطلق عزوجل در کلام مجید خود فرمودہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون در تفسیر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما معنی الا لیعبدون فرمودہ اند.....

۱۷ رسالہ حیات السالکین: شمارہ نمبر (۵۶۷۰) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۴۲، تقطیع ۱۵½ × ۲۵، نوع خط نستعلیق۔

آغاز: الحمد للہ رب العالمین.... معرفت علم حقائق و سلوک منقسم بدو قسم است قسم اول مراتب تنزلات است آن نیز منقسم بدو نوع است. نوع اول تنزل غیب و خالق است کہ در آن پنج باب است۔

۱۸ رسالہ ولایت: شمارہ نمبر (۳۲۰) زبان فارسی، موضوع تصوف، صفحات ۱۲، تقطیع ۱۵½ × ۲۱، نوع خط نستعلیق۔

آغاز: الحمد للہ رب العلمین..... از کتاب غنیمت الوقت ولایت را چند نواست نوع ولایت بسیار موافق اعتبارات آن جلالی و جمالی وجودی و علمی چنانچہ در کتاب فتوحات مکی وغیرہ حضرت شیخ اکبر بیان فرمودہ.....

حضرت دستگیر صاحبؒ کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی۔ ان کی چند غزلیات دکنی اردو میں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔ رسالہ جوامع الاسرار کے آخر میں چھ غزلیں شامل ہیں۔ رنگ تغزل متصوفانہ ہے اور مجازی رنگ میں عشق حقیقی کا بیان ہے۔ ایک غزل

درج ذیل ہے :

پی کرشراب کہنہ خوش خواب رات دیکھا — ساجن قدیم اپنا ہے اپنے سات دیکھا

لاکھونسو منظران کرہ دکھلا ظہورا اپنا — عالم کا کرہ بہانا کرتا سو بات دیکھا

ظاہر ہوا ہے مجھ کون دوجگ کے ناپنے میں — تاکس کون در معانی ذات وصفات دیکھا

نہیں کس وجود بس ہے ہستی دیکھا کے اپنے — ہے فیض سب اسی کا کثرت میں ذات دیکھا

ہجرت دیکھا کے خوبان نین ہے جدا ہمن سون — اول سون تا ابد ک ہے ملکے سات دیکھا

پی جام اپس خودلئے سون پایا ہے خواب جسنے — دوجگ میں سروری تھی تا نجات دیکھا

ہرگز نہیں ہے واصل آپس کے ہی سون — ملنا سجن کہ میرا بعد از وفات دیکھا

چندین ہزار عالم محروم ہو چلے ہیں — بختان کی مج فدا ی از لے برات دیکھا

حضرت دستگیر صاحبؒ اپنی تصانیف کے متعلق دیباچہ مفتاح التفاسیر میں تحریر کرتے ہیں کہ "میں نے اپنی تصنیفات میں اوسط طریقہ استعمال کیا ہے اور بلحاظ مراتب پہلے قرآن مجید سے استدلال کیا اس کے بعد احادیث نبویہ سے، تیسرے اقوال صوفیہ سے، چوتھے الہام سے اور پانچویں قیاس سے کام لیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ قیاس میں غلطی کا احتمال ہے جو قابل معافی ہے"۔

ازواج حضرت دستگیر صاحبؒ نے تین عقد کیے۔ پہلا عقد اپنے پیر و مرشد حضرت ناصر الدین شاہ قادریؒ کی صاحبزادی سے کیا۔ ان کے انتقال کے بعد دوسرا عقد پیر کامل حضرت خواجہ رحمت اللہؒ نائب رسول اللہ کی دختر سے کیا۔ تیسرا عقد حاجی حرمت النساء بیگم سے کیا ان کی اولاد میں سات صاحبزادیاں اور تیرہ ۱۳ صاحبزادے تھے۔ صاحبزادوں میں زیادہ مشہور محمود ساویؒ احمد ساویؒ، شاہ ناصر ساویؒ اور

شاہ اسد اللہؒ تھے۔

وصال حضرت دستگیر صاحبؒ کے سنہ وصال میں اختلاف ہے۔ بعض افراد نے ۱۱۶۳ھ لکھا ہے اور بعض نے ۱۱۶۵ھ۔ روایات یہ ہیں کہ ان کا وصال حیدر آباد دکن میں ہوا۔ وہاں نعش کو ایک صندوق میں امانتاً زمین میں سونپی گئی تھی، اہل کرناٹک اور نواب محمد علی خاں والاجاہ والیِ کرناٹک کی خواہش سے مدراس لائی گئی، میلاپور کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ نواب والاجاہ نے خوبصورت مقبرہ تعمیر کروایا۔ حضرت دستگیر صاحبؒ کے صاحبزادے حضرت محمود الساویؒ نے تاریخ کہی ہے جو ان کے متذکرہ بیاض میں بھی درج ہے۔

ساخت این کنند فلک اشباہ — حاتم ہند امیر والاجاہ

شاہ محمود بانیش گردید — ابن مخدوم صاحب درگاہ

ہاتف غیب گفت تاریخش — قبۂ عرش منزلت ناگاہ

سال فوتش بہ یاد محمود است — توز رضوان حق حسابش خواہ ۱۱۶۵ھ

شاہ مخدوم دستگیر زمان

قطب عالم مقام نزد الہ

ابن خلدون کی تاریخی وجغرافیائی نگارشات پر ایک نظر

از
ڈاکٹر محمد عبدالحفیظ صدیقی، پونے

اکثر ماہرین تعلیم مختلف علوم کا موازنہ اور ان کے حصول کے فوائد و نقصانات کا جائزہ لیتے ہوئے اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ علم تاریخ سب سے کارآمد علم ہے، جس کی بدولت انسان دوسروں کے تجربات سے واقفیت حاصل کرکے کامیاب تجربوں کی تقلید اور ناکامیاب تجربوں سے اجتناب کرسکتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ابتدا سے ہی تاریخ نویسی میں داستان گوئی شامل ہوتی رہی جو خواہ محض لطف زبان کی خاطر ہو یا کسی سیاسی اور ذاتی مفاد کے پیش نظر مگر حقیقت پر پردہ پوشی کا سبب بن گئی۔ متعدد اقوام نے اپنی داستانوں ہی کو اپنا عقیدہ بنالیا اور حقائق پر کوئی توجہ نہ دی۔

ابو زید عبدالرحمن ابن خلدون المغربی ۱۳۳۲ء مطابق ۷۳۲ھ میں شمالی افریقہ کے ساحلی شہر تیونس میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مروجہ علوم سے سرفراز ہونے کے بعد فن تاریخ نویسی کے بنیادی اصولوں کو مرتب کرکے اہم علمی خدمت انجام دی اور ذہن انسانی کو کسی واقعہ پر یقین کرنے سے پہلے اسے حقیقت اور منطق کے میزان پر تولنے کی جانب راغب کیا حالانکہ اس حقیقت نگاری کے طفیل انہیں متعدد بار سخت تکالیف و آلام میں

مبتلا ہونا پڑا اور کئی دفعہ قید کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں، مگر مقدمہ ابن خلدون تاریخ، عمرانیات، فلسفہ اور علم نفسیات کا وہ قیمتی سرمایہ ہے جس کے مختلف گوشوں پر صدیوں سے تحقیق جاری ہے اور اس کے فیض سے فن تاریخ نویسی، علم عمرانیات اور فلسفہ و نفسیات کے نئے نئے چشمے ابلتے رہتے ہیں۔ مقدمہ میں انسانی معاشرے کے مختلف ادوار کا جائزہ لیا گیا ہے اور انسانی تہذیب و تمدن کی ارتقائی منازل کے تسلسل اور ربط کو بڑی خوبی اور وضاحت سے بیان کیا ہے۔ علم تاریخ (HISTORY) عمرانیات (SOCIOLOGY) سماجی علم الانسان (SOCIAL ANTHROPOLOGY) اور انسغرافیہ (HUMAN GEOGRA-PHY) میں تمدن کے ارتقا کو قدیم تمدن (PALAEOLITHIC CULTURE) درمیانی تمدن (MESOLITHIC CULTURE) اور جدید تمدن (NEOLITHIC CULRURE) کے عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ ان سب علوم میں ابن خلدون کے چشمۂ فیض سے آبیاری کارفرما نظر آتی ہے۔ مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ جدید کتابوں میں اس حقیقت کا ذکر شاذونادر ہی ملتا ہے۔

فن تاریخ نویسی کی وضاحت کرتے ہوئے ابن خلدون رقمطراز ہیں کہ "تاریخ ایک خاص زمانے یا مخصوص قوم کے حالات کو قلم بند کرنے کا نام ہے مگر اقوام عالم اور زمانۂ قدیم کے حالات بیان کرنا بھی مورخ کے لیے ناگزیر ہے کیونکہ اس پر اس کے اکثر مقاصد کی بنا ہوتی ہے۔ بعض مورخ اس کے لیے ایک علیحدہ حصہ ترتیب دیتے ہیں۔ چنانچہ مسعودی نے اپنی کتاب 'مروج الذہب' میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس نے اپنے زمانہ (۳۳۰ھ) تک کی تمام غربی و شرقی اقوام عالم کے حالات بسط و شرح سے ضبط کیے ہیں۔ ان کے مذاہب، عادات، ان کے شہروں کے حالات، ان کے پہاڑوں،

دریاؤں، ممالک وسلطنتوں کی کیفیات بیان کی ہیں اور عرب وعجم کو علیحدہ علیحدہ خاندانی شاخوں میں دکھایا ہے۔ اسی لیے اسے مورخین میں سربلندی نصیب ہوئی، مگر جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے داستان گوئی سے مسعودی بھی بچ نہ سکے۔ شہر رومہ کے ذکر میں انہوں نے لکھا ہے کہ وہاں مینا کی ایک مورت ہے۔ سال میں ایک خاص دن ساری مینائیں زیتون کی شاخیں لیے ہوئے اس کے پاس جمع ہوتی ہیں اور انہیں سے یہاں کے لوگ زیتون حاصل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ بعید از قیاس بات ہے۔ اسی طرح "مدینۃ النحاس" کا ذکر ہے جو صحرائے سجلماسہ میں آباد شہر ہے اور اس کی ساری عمارتیں تانبے کی ہیں۔ شہر کے سب دروازے بند ہیں اور جب کوئی دشمن اس کی فصیل پر چڑھ کر جھانکنے کی بھی کوشش کرتا ہے تو بیخود ہوکر اور تالیاں بجاتا ہوا اس میں کود پڑتا ہے اور ہلاک ہوجاتا ہے، لیکن باوجود ماہرینِ آثار قدیمہ کی کوششوں کے اس صحرا میں مدینۃ النحاس آج تک دریافت نہیں ہوسکا ہے۔ ورنہ تانبے کا ایک عظیم ذخیرہ مہیا ہوجاتا۔ ایک محیر العقول واقعہ اور لایق ذکر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح پرکھ اور جانچ کے بغیر افواہیں اور ذہنی خیال آرائیاں اندھی تقلید کا باعث بن جاتی ہیں۔ سکندر اعظم کے بارے میں مسعودی لکھتے ہیں کہ جب اس نے ساحل پر شہر اسکندریہ بنانے کا ارادہ کیا تو سمندری جانور سد راہ بن گئے۔ سکندر نے شیشہ کا ایک صندوق بنوایا اور اس میں بیٹھ کر سمندر کی تہہ میں اُتر گیا اور اس نے ان شیطانی جانوروں کی تصویریں کھینچیں جو وہاں اسے دکھائی دیے۔ واپس آنے کے بعد اس نے انہی جانوروں کے مجسمے کسی دھات سے بنواکر شہر کی بنیاد کے بالمقابل نصب کرادیے۔ یہ جانور جب سمندر سے ساحل کی طرف آئے اور انہوں نے مجسموں کو دیکھا تو بھاگ گئے۔ ابن خلدون نے

مستند تاریخ نویسیوں کی تحریروں میں ایسے توہمات اور دیومالائی داستانوں کی مثالیں دیکر اس قسم کی تاریخ نویسی کی بے وقعتی کو آشکار کیا ہے۔ ایسی داستانوں کا ہماری تاریخ میں بھی بڑا چلن ہے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ ابن خلدون کے بتائے ہوئے اصولوں کو ان داستان گویوں کے کانوں تک پہونچا دیا جائے تاکہ وہ توہم میں گرفتار ہونے اور روایت پرستی اختیار کرنے کی جگہ عقلیت اور حقیقت پسندی کی طرف راغب ہوں۔ ؏ شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات۔

ابن خلدون کو سیر وسیاحت کا بڑا شوق تھا اور اس کی خاطر انہوں نے بڑی تکالیف برداشت کیں مگر اس سے جو تجربات انہیں حاصل ہوئے وہ مختلف ملکوں اور قوموں کے حالات سمجھنے میں معاون بنے اور قوموں کے عروج وزوال ان کے ماحولیاتی اور جغرافیائی اثرات ابن خلدون کے مشاہدے میں آئے اور اسی بنا پر انہوں نے جغرافیۂ عالم پر نظر ڈالی ہے، مگر حقیقت نگاری کے اصول کے مطابق یہ تسلیم کیا ہے کہ مشرقی اقوام، ان کی تہذیب وتمدن، رہن سہن کے طریقوں اور طرز معاشرت کا ذکر انہوں نے سیاق وسباق میں کیا ہے اور وہ صرف انکے ذاتی مطالعہ اور دوسروں سے سُنی ہوئی خبروں تک محدود ہیں۔ مشرق اور اہل مشرق کے بارے میں ان کی معلومات صرف مطالعۂ کتب تک محدود ہیں۔ اس کے علاوہ ابن خلدون کے زمانہ یعنی چودہویں صدی عیسوی تک کی محدود جغرافیائی معلومات کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے۔ کولمبس نے نئی دنیا ۱۴۹۲ء میں دریافت کی تھی اور ابن خلدون کا انتقال قاہرہ میں ۱۴۰۶ء مطابق ۸۰۸ھ میں ہوگیا تھا اس لیے نئی دنیا کا ذکر ان کی تحریروں میں ڈھونڈھنا عبث ہوگا۔ جدید ذرائع معلومات، نقشے اور چارٹ بھی ان کے زمانے میں موجود نہ تھے۔ لہذا ان کے

بیان کردہ سمندروں، پہاڑوں اور دریاؤں کے تذکروں میں اور موجودہ جغرافیائی معلومات
میں اکثر مطابقت نہیں ملتی۔ اس سلسلہ میں عمیق مطالعہ تحقیقی مقالہ کا بیش قیمت مواد فراہم
کرسکتا ہے۔ ممکن ہے عرب کے کسی جغرافیہ داں نے اس موضوع پر کام کیا بھی ہو جس کا
علم مجھے نہیں ہے۔

ابن خلدون نے آباد حصۂ زمین کو سات حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصہ کو
اقلیم کا نام دیا ہے۔ ہر اقلیم کا طول مغرب سے مشرق تک ہے۔ پہلی اقلیم مغرب سے مشرق
تک خط استوا کے ساتھ ساتھ جہت جنوب میں چلتی ہے اور اس سے پرے سوائے ویرانوں
اور ریگستانوں کے کچھ نہیں ہے۔ اگر وہاں کچھ آبادی مان بھی لی جائے تو وہ صحیح معنی میں
آبادی کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔ خط استوا کے جہت شمال میں دوسری اقلیم واقع ہے،
پھر تیسری اور چوتھی۔ غرض ساتویں اقلیم تک یہی سلسلۂ آبادی چلا گیا ہے۔ ساتویں اقلیم کے
بعد آبادی کا نام و نشان نہیں۔ پھر بحر محیط تک اسی طرح ویرانے اور چٹیل میدان ہیں جس
طرح اقلیم اول کے بعد جہت جنوب میں۔ البتہ شمالی غیر آباد رقبۂ زمین جنوبی غیر آباد رقبہ
سے کہیں کمتر ہے۔" (مقدمہ ابن خلدون، مترجمہ سعد حسن خاں یوسفی۔ کراچی۔ صفحہ ۸۲ تا ۱۰۴)

اس تصور اقلیم کو اگر براعظم (CONTINENT) مانا جائے یا دنیا کے عظیم
قدرتی خطے (MAJOR NATURAL REGIONS) سمجھا جائے تب بھی موجودہ
زمین وآبادی کی تقسیم سے اس کی مطابقت ثابت نہیں ہوتی۔ چونکہ کولمبس سے پہلے
نئی دنیا یعنی شمالی وجنوبی امریکہ کا واضح نقشہ کسی کے ذہن میں نہیں تھا۔ اس لیے دنیا
کے اس پورے خطہ کا نظر انداز ہو جانا لازمی تھا۔ اسی طرح براعظم انٹارکٹیکا کے
بارے میں معلومات بھی انیسویں صدی کے سروے سے ملنا شروع ہوئی ہیں اسلیے

اس کا ذکر بھی ابن خلدون کی کسی اقلیم میں نہیں ہے۔

اقلیم اول کے ذکر میں ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اس کے جزو اول سے دریائے
نیل گزرتا ہے جو جبل قمر سے نکلتا ہے اور جبل قمر کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ دنیا کا
سب سے اونچا پہاڑ ہے۔ موجودہ معلومات کے مطابق سب سے اونچا پہاڑ ہمالیہ
ہے اور اس کی سب سے اونچی چوٹی کا نام ایورسٹ ہے۔

دوسری اقلیم کے چھٹے حصہ کے بارے میں لکھا ہے کہ "بحر ہند نے اس چھٹے حصۂ
اقلیم کے بالائی حصہ کو ڈھک رکھا ہے وہیں اس کے اوپر سندھ سے مکران تک کا علاقہ
ہے (صفحہ ۸۶) اور سندھ پورا اس حصۂ اقلیم کی مغربی سمت میں واقع ہے اس کے اور
ہند کے مابین جنگل آگئے ہیں جو سندھ کو ہند سے الگ جدا کرتے ہیں۔ سندھ میں ایک دریا
بہتا ہے جو ہندوستان سے آتا ہے اور بحر ہند کے جنوب میں گر جاتا ہے"۔ آج سب جانتے
ہیں کہ دریائے سندھ (RIVER INDUS) بحر ہند کے شمالی حصہ میں گرتا ہے۔

تیسری اقلیم تا ساتویں اقلیم چودھویں صدی تک کی معلوم شدہ دنیا کے طبعی جغرافیہ
کا بیان ہے۔ موجودہ وسط ایشیا بشمول کامن ویلتھ آف انڈپنڈنٹ اسٹیٹس (C.I.S.)
روس، مغربی یورپ اور بحر روم کے اطراف کا علاقہ بشمول مشرق اقصی، جنوبی یورپ اور
شمالی افریقہ کا تفصیلی بیان ان میں شامل ہے۔

مشہور مورخ اور جغرافیہ داں "ادریسی" (۱۰۹۹ء تا ۱۱۶۴ء مطابق ۴۹۳ھ تا ۵۶۰ھ) کی مشہور تصنیف
"نزہت المشتاق فی اختراق الآفاق" جو ۱۱۵۴ء میں لکھی گئی، ابن خلدون کے پیش نظر
رہی اور اس کتاب میں شامل متعدد نقشے ہست اقلیم کے تذکروں میں معاون رہے۔
ادریسی کے تیار کردہ نقشے بارہویں سے پندرہویں صدی عیسوی تک اہل یورپ کیلئے بھی

مشعل راہ بنے ہے۔ ابن خلدون کے تذکروں میں اسی لیے بحر محیط اور بحر ظلمات کا ذکر جا بجا ملتا ہے۔
موجودہ نقشہ نویسی کی تکنیک (CARTOGRAPHY) کی روشنی میں نقشۂ عالم یکسر تبدیل ہوگیا ہے
مگر ادریسی کے نقشوں کی اہمیت آج بھی تسلیم کی جاتی ہے کیونکہ انہوں نے اس فن کی ارتقائی منزلوں میں
رہنمائی کی۔ اسی طرح ابن خلدون نے جغرافیہ عالم کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کی اہمیت سے کوئی اہل علم
انکار نہیں کر سکتا کیونکہ ان سے پہلے کسی دوسرے عالم نے اس تفصیل سے مختلف علوم کا ذکر نہیں کیا تھا وہ پہلے
مفکر ہیں جنھوں نے طبعی اور ماحولیاتی عوامل کے اثرات کا ذکر انسان کے جسم کی ساخت، صحت، رنگ، عادات
و خصائل اور اس کے تمدن و اخلاق پر دلائل کے ساتھ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مقدمہ ابن خلدون معلومات
کا ایسا خزانہ ہے جس میں زندگی کے ہر پہلو اور ہر موضوع پر نہایت واضح اور مدلل نکتہ ہائے بے پایاں جمع ہیں
ابن خلدون کے افکار و خیالات سے لاتعداد طلبائے علوم نے فائدہ اٹھایا ہے اور اٹھاتے رہیں گے۔ ان میں
ایک مشہور ہستی ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی ہے جنھوں نے فرنچ زبان میں ابن خلدون پر مقالہ لکھ کر ساربون یونیورسٹی سے
پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند حاصل کی اور پھر کالج دی فرانس نے انہیں اسی مقالہ پر مشہور انعام سنوتر عطا کیا۔
انکے اسی مقالہ کے عربی ترجمہ کا اردو ترجمہ مولانا عبدالسلام ندویؒ نے ۱۹۴۰ء میں مطبع معارف اعظم گڈھ سے شایع کیا۔

اس مضمون کے اختتام پر سید سلیمان ندویؒ کا یہ جامع تبصرہ ملاحظہ ہو:۔

"دنیا میں لاکھوں کتابیں ہر زبان میں لکھی گئی ہوں گی لیکن اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ ان میں کتاب
اسی کو کہا جائے گا جس میں بدیع (اوریجنل) خیالات اور نئی تحقیقات ہوں تو شاید اتنے بڑے
ڈھیر میں ہر زبان میں چند ہی کتابیں کتاب کہلائے جانے کی مستحق ہوں گی ان ہی میں سے عربی
زبان کی یہ کتاب مقدمہ ابن خلدون ہے۔"

حوالوں کے ماخذ:۔ ۱۔ مقدمہ ابن خلدون۔ مترجمہ مولانا سعد حسن خاں یوسفی (فاضل الٰہیات)
نور محمد اصح المطابع۔ کراچی ۲۔ ابن خلدون۔ مولانا عبدالسلام ندوی مطبع معارف۔ اعظم گڈھ ۱۹۴۰ء ۳۔ تلخیص مقدمہ
ابن خلدون۔ ناظم سیتاپوری۔ فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ کراچی ۱۹۹۲ء۔

گوشوارۂ "کلیات اقبال"

از جناب محمد بدیع الزماں صاحب

اقبال نے قریب پینتالیس (۴۵) سال شاعری کی جس میں قریب پندرہ (۱۵) سال ان کی طالب علمی
کا زمانہ بھی شامل ہے۔ ان پینتالیس (۴۵) سالوں میں انہوں نے اپنے اردو کلام کے درج ذیل چار
مجموعے شایع کیے ہیں، جیسا اس مضمون کے آخر میں "گوشوارہ کلیات اقبال" میں بتایا گیا ہے،
اشعار کی تعداد ۴،۵۷۵ ہے۔

مجموعہ	سنہ اشاعت		کل اشعار
(۱) بانگ درا۔	سنہ اشاعت۔ ستمبر ۱۹۲۴ء۔	کل اشعار	۲۳۱۰
(۲) بال جبریل۔	" ۱۹۳۵ء۔	"	۱۱۷۱
(۳) ضرب کلیم۔	" ۱۹۳۶ء۔	"	۸۳۹
(۴) ارمغان حجاز۔	" ۱۹۳۸ء۔	"	۲۵۵
			۴،۵۷۵

ان چاروں مجموعوں میں مختلف اصناف سخن میں اقبال کی طبع آزمائی اور ان اصناف کی
تعداد اور ان میں شامل اشعار کی تعداد کا مطالعہ بھی بہت حد تک اقبال کو بہ حیثیت شاعر
سمجھنے اور پرکھنے میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ اردو میں متوسطین اور متاخرین کے ضخیم دواوین
ہمارے پیش نظر ہیں جن کا کام صرف شاعری تھا جب کہ اقبال کا پیشہ وکالت تھا جو ان کی
آمدنی کا واحد ذریعہ تھا۔ جب ہم "کلیات اقبال" کے گوشوارہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ان

پینتالیس سالوں میں چاروں مجموعوں کے اشعار کی کل تعداد ۴۵۰۵ ہوتی ہے اور اس طرح اس لمبی مدت میں سالانہ اوسطاً ایک سو اشعار کا آتا ہے جس سے ہم ان کی وکالت کے پیشہ کی مشغولیت کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس مضمون میں ہر متذکرہ بالا مجموعہ کا الگ الگ گوشوارہ دیا جا رہا ہے۔ "بانگ درا" کے گوشوارہ میں جس طرح اقبال نے اسے تین حصوں میں ترتیب دیا ہے اسی طرح کا گوشوارہ بھی تیار کیا گیا ہے۔ ایسا اس لیے کہ ہم یہ جان سکیں کہ آخر ان حصوں کی سنہ کے لحاظ سے اہمیت کیا ہے۔ "پہلا حصہ" ..... ۱۹۰۵ء تک" کا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اقبال اس سال تک لاہور کے مقامی کالج میں پہلے تو طالب علم تھے جہاں سے انہوں نے ۱۸۹۸ء میں ایم۔ اے کی ڈگری لی۔ اس کے بعد اسی مدت میں وہ لاہور کے اورینٹل کالج میں میکلوڈ عربک ریڈر رہے اور ساتھ ساتھ گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے اسسٹنٹ پروفیسر بھی۔ جس کا سلسلہ ۳ ستمبر ۱۹۰۵ء تک رہا۔ دوسرا حصہ "۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک" کا ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ اقبال ستمبر ۱۹۰۵ء سے جولائی ۱۹۰۸ء تک اعلیٰ تعلیم کے سلسلہ میں یورپ میں مقیم رہے جہاں انہوں نے انگلینڈ اور جرمنی سے بہت سی ڈگریاں اور ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ تیسرا حصہ "۱۹۰۸ء سے ..... تک کا ہے، یعنی ۱۹۰۸ء میں یورپ سے لوٹنے اور اس مجموعہ کی اشاعت تک۔

"بانگ درا" کا دیباچہ تو اقبال کے محسن و کرم فرما ڈاکٹر سر شیخ عبدالقادر بیرسٹر ایٹ لا، سابق مدیر "مخزن" لاہور نے لکھا ہے مگر باقی تین مجموعوں میں نہ کوئی دیباچہ ہے نہ کوئی "پیش لفظ"۔ "بال جبریل" کے سرورق پر یہ شعر ہے ؎

اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں
نفسِ سوختۂ شام و سحر تازہ کریں

اور اس کے بعد کے صفحہ پر دیباچہ کی جگہ اقبال کا یہ مشہور شعر ہے ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر!
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر!

"ضرب کلیم" اور "ارمغان حجاز" میں نہ تو کوئی دیباچہ ہے اور نہ "بال جبریل" کی طرح ان کی جگہ پر کوئی شعر۔ البتہ "ضرب کلیم" میں ایک نظم "ناظرین سے" ہے اور اس کے بعد "تمہید" نام کی ایک نظم ہے اور شروع میں اعلیٰ حضرت نواب سر حمید اللہ خاں فرمانروائے بھوپال کی خدمت میں انتساب ہے۔ جو کسی دوسرے مجموعہ میں نہیں۔ شاید اقبال نے اپنے کلام کی مقبولیت کے پیشِ نظر ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ انہیں اس کے بعد کسی کے تعارف کی ضرورت نہ تھی۔

جیسا کہ "کلیاتِ اقبال" کے گوشوارہ سے معلوم ہوگا اقبال نے ان پینتالیس سالوں میں کل ۱۰۱ غزلیں کہیں جن کے اشعار کی تعداد ۶۳۰ ہے جبکہ چاروں مجموعوں کے اشعار کی تعداد ۴۵۰۵ ہے۔ ایسا شاید اس لیے کہ ایک تو اقبال نے "بال جبریل" کی غزل ۳ (دوم) میں غزل کہنے سے اپنی یہ معذوری بتائی ہے کہ ؎

نہ زباں کوئی غزل کی، نہ زباں سے آشنا میں
کوئی دل کشا صدا ہو، عجمی ہو یا کہ تازی

دوسرے انہوں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ ہی میں نظم "طلبۂ علی گڑھ کالج کے نام" میں اپنی شاعری کے متعلق یہ عندیہ دیا تھا ؎

اوروں کا ہے پیام اور، میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

طائرِ زیرِ دام کے نالے تو سن چکے ہو تم
یہ بھی سنو کہ نالۂ طائرِ بام اور ہے

تو ظاہر ہے کہ اقبال کو اپنی قوم کو کچھ پیغام دینا تھا جو غزل گوئی کی تنگ دامانی میں نہیں سما سکتا تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنے بیان کے لیے نظموں میں وسعت تلاش کی مگر پھر بھی ان کی "بال جبریل" کی ۷۷ غزلوں میں جن کے اشعار کی تعداد ۵۱۲ ہے، مشہور نقاد

ڈاکٹر ظ انصاری نے یہ اظہار خیال کیا ہے۔

"علامہ اقبال نے تو اپنے فلسفے، عقیدے اور سماجی و سیاسی مضامین کو خوب اچھی طرح گھلا کر اپنی غزلوں میں ایسا سمیٹ دیا ہے کہ اگر اردو غزل میں اور کچھ نہ رہ جائے صرف اقبال کی چند غزلیں رہ جائیں تو ایک صدی تک اردو غزل کی بقا کا سامان یہی کافی ہے۔ انہی سے اور کونپلیں پھوٹیں گی اور ان کونپلوں سے اور غنچے نکلیں گے۔ پھر یہ گلبن اپنی ارتقائی شکلوں کے ساتھ اور رنگا رنگ پھولوں کے ساتھ ہرا بھرا ہوگا"۔ (کتاب: "زبان و بیان")

میں نے اس مضمون میں ہر مجموعہ کے گوشوارے کے ساتھ ان اشعار کا حوالہ دیا ہے جو بطور "تضمین" نظموں میں لائے گئے ہیں جن کے کل اشعار مجموعہ وار یہ ہیں:

(۱) بانگِ درا ۲۴ اشعار (۲) بالِ جبریل ۳۱ اشعار

(۳) ضربِ کلیم ۲ " (۴) ارمغانِ حجاز -

ان ۵۷ اشعار میں دو اشعار کو چھوڑ کر جو اردو میں ہیں باقی سبھی فارسی کے مشہور شعراء کے اشعار ہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ نے چند سال قبل ایک مضمون میں کہا تھا کہ اقبال پر ابھی بہت کچھ کیا جانا باقی ہے جن میں تضمین بھی ہے۔

اب ذیل میں مجموعہ گوشوارہ پیش ہے اور آخر میں چاروں کا ایک گوشوارہ "کلیات اقبال"

(۱) گوشوارہ "بانگ درا"

حصہ وار	تضمین		غزلیات		قطعات		کل اشعار
	تعداد	اشعار	تعداد	اشعار	تعداد	اشعار	
حصہ اول "...۱۹۰۵ء تک"	۴۹	۷۶۲	۱۳	۱۰۹	-	-	۸۷۱
حصہ دوم "۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک"	۲۴	۲۲۴	۷	۶۳	-	-	۲۸۷
حصہ سوم "۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۴ء تک"	۹۸	۱۰۹۸	۸	۵۰	۱	۴	۱۱۵۲
میزان	۱۷۱	۲۰۸۴	۲۸	۲۲۲	۱	۴	۲۳۱۰

نوٹ: حصہ سوم کی ۹۸ نظموں اور ان کے ۱۰۹۸ اشعار میں اسی حصہ کے "ظریفانہ" کی ۲۹ نظمیں اور ان کے ۹۴ اشعار بھی شامل ہیں۔

تضمین: اس مجموعہ میں تضمین کے ۲۴ اشعار ہیں جن میں ایک نظم (نمبر شمار ۴) "پھول کا تحفہ عطا ہونے پر" میں اردو کا ایک شعر ہے۔ نمبر شمار (۵) تا نمبر شمار (۱۹) کی ہر نظم میں ایک ہی شعر تضمین کا ہے جو اس نظم کا آخری شعر ہے۔ اردو کے ایک کو چھوڑ کر باقی سبھی اشعار فارسی شعراء کے ہیں جن کا نام نظم کے ساتھ قوسین میں دیا جارہا ہے۔

(۱) "تصویر درد" پہلا اور آخری بند۔ دو اشعار۔ پہلا شعر (نامعلوم)، دوسرا شعر (نظیری)، (۲) "نالۂ فراق" پہلا، چوتھا اور پانچواں بند۔ تین اشعار (نامعلوم)، (۳) تضمین بر شعر انیسی شاملو (شاملو)، (۴) "پھول کا تحفہ عطا ہونے پر"۔ اردو کا شعر (نامعلوم)، (۵) "نصیحت"۔ (نامعلوم)، (۶) "تعلیم اور اس کے نتائج"۔ (ملا عرشی)، (۷) "قرب سلطان"۔ (حافظ شیرازی)، (۸) "تضمین بر شعر ابوطالب کلیم"۔ (ابوطالب کلیم)، (۹) "شبلی و حالی" (نامعلوم) (۱۰) "ارتقا" (نامعلوم)، (۱۱) "تہذیبِ حاضر" (فیضی)، (۱۲) "عرفی"۔ (عرفی)، (۱۳) "کفر و اسلام" (میر رضی دانش)، (۱۴) "مسلمان اور تعلیم جدید" (ملک قمی)، (۱۵) "تضمین بر شعر صائب" (صائب) (۱۶) "فردوس میں ایک مکالمہ" (سعدی)، (۱۷) "مذہب" بعد از نظم "فردوس میں ایک مکالمہ" (میرزا بیدل)، (۱۸) "اسیری" (نامعلوم)، (۱۹) "دریوزہ خلافت (نامعلوم)، (۲۰) "طلوع اسلام" آٹھواں اور نواں بند۔ ایک شعر (نامعلوم)

(۲) گوشوارہ "بالِ جبریل"

نظمیں		غزلیات		رباعیات		قطعات		کل اشعار
تعداد	اشعار	تعداد	اشعار	تعداد	اشعار	تعداد	اشعار	
۵۸	۵۶۲	۷۷	۵۱۴	۴۱	۸۲	۶	۱۳	۱۱۷۱

نوٹ: غزلیات کے ۵۱۴ اشعار میں وہ دو اشعار بھی شامل ہیں جن میں ایک اقبال نے اس مجموعہ کے سرورق پر دیا ہے اور دوسرا اس کے بعد کے صفحہ پر۔

تضمین: "بالِ جبریل" کی ۱۱۷۱ اشعار میں تضمین کے طور پر ۱۳ اشعار شامل ہیں جن میں ایک نظم "فلسفہ و مذہب" (نمبر شمار ۲) میں اردو میں ہے اور باقی سب فارسی میں جن میں صرف "پیر و مرید" میں رومی کے ۷،۱۲ اشعار ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) "ذوق و شوق" سعدی کا ایک شعر اقبال نے تحت العنوان دیا ہے (۲) "فلسفہ و مذہب"۔ غالب کا ایک اردو شعر الفاظ کے معمولی ردوبدل کے ساتھ (۳) پیر و مرشد" رومی کے ۷،۱۲ اشعار (۴) "تاتاری کا خواب"۔ اقبال نے اس شعر کے متعلق اس نظم کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ "یہ شعر معلوم نہیں کس کا ہے۔ نصیر الدین طوسی نے غالباً "شرح اشارات" میں دیا ہے۔ (۵) "خودی" (فردوسی)

(۳) گوشوارہ "ضربِ کلیم"

تضمین		غزلیات		کل اشعار
تعداد	اشعار	تعداد	اشعار	
۱۸۱	۸۱۲	۵	۲۷	۸۳۹

تضمین: اس مضمون میں صرف دو نظموں میں ایک ایک شعر بطور تضمین ہے جو دونوں فارسی میں ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) "خاقانی" (خاقانی) (۲) "میرزا بیدل" (عبدالقادر بیدل)

(۴) گوشوارہ ارمغانِ حجاز

تضمین		رباعیات		کل اشعار
تعداد	اشعار	تعداد	اشعار	
۱۲	۲۲۹	۱۳	۲۶	۲۵۵

گوشوارہ "کلیات اقبال"

مجموعہ کا نام	تضمین		غزلیات		رباعیات		قطعات		کل
	تعداد	اشعار	تعداد	اشعار	تعداد	اشعار	تعداد	اشعار	اشعار
بانگِ درا	۱۷۱	۲۰۸۴	۲۸	۲۲۲	-	-	۱	۴	۲۳۱۰
بالِ جبریل	۵۸	۵۶۲	۷۷	۵۱۴	۴۱	۸۲	۶	۱۳	۱۱۷۱
ضربِ کلیم	۱۸۱	۸۱۲	۵	۲۷	-	-	-	-	۸۳۹
ارمغانِ حجاز	۱۲	۲۲۹	-	-	۱۳	۲۶	-	-	۲۵۵
میزان	۴۲۲	۳۶۸۷	۱۱۰	۷۶۳	۵۴	۱۰۸	۷	۱۷	۴۵۷۵

حوالہ

"کلیاتِ اقبال"۔ ناشر ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ۔ سنہ اشاعت ۱۹۸۸ء۔

شعر و ادب میں نمرود کی تلمیح

از پروفیسر نقی حسین جعفری نئی دہلی

اگر کسی شعر میں کسی ایسی شخصیت یا تاریخ یا اسطور کے ذکر سے شعر کا مفہوم زیادہ بلیغ ہوجائے یا اس شعر کا مضمون ایک ایسی جہت تک پہنچا دے جس سے شعر کا لطف دوبالا ہوجائے تو اسے شعر و ادب کی اصطلاح میں تلمیح کہتے ہیں۔ لیکن ان تلمیحات سے مکمل طور پر اسی وقت لطف اندوز ہوا جاسکتا ہے اور شعر کا پورا مطلب نکل سکتا ہے جب اس شخصیت یا واقعہ یا اسطور سے پوری طرح واقفیت ہو۔ شعر میں کسی شخصیت کے نام، اسطور کے خفیف سے حوالے اور واقعے کے محض اشارے سے ایک ایسا جہان معنی پیدا ہوتا ہے جس کا بس اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض زمانوں میں کچھ مخصوص تاریخی واقعات اور اسطور کی تکرار ہوتی رہتی ہے اور کبھی کبھی کوئی شخصیت یا کوئی نام شعری تلمیح میں اس طرح ڈھل جاتا ہے کہ وہ از سر نو ایک اسطور کا قالب اختیار کرلیتا ہے۔ ہر بڑا شاعر اپنی بوطیقا کی طرح اپنے اسطور بھی دریافت کرتا ہے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض پرانے اسطور نئے مضمون میں ڈھل کر شعری تلمیحات میں اضافے کا باعث ہوئے ہیں۔

قیس کی صحرا نوردی، خضر اور سکندر کی اسطوری اور تاریخی شخصیات کی شعری تلمیحات، فرہاد اور شیریں کے قصے میں جوئے شیر اور تیشے کی تلمیح، اعجاز مسیح، معجز طرازی موسیٰ، یوسف کے قصہ میں گریۂ یعقوب، زلیخا کی دلداری، برادران یوسف، فارسی اور اردو میں معروف شعری تلمیحات ہیں۔ اسی طرح قصۂ ہابیل و قابیل، خضر کے ذکر میں آب حیوان، جان پاک، دو امر یتیم

اقبال کی نظم خضر راہ میں بطور شعری تلمیحات بڑی خوبی سے برتی گئیں ہیں، ہندوستانی رزمیہ داستانوں میں مہابھارت اور راماین کے بعض معروف واقعات بھی اردو شعر و ادب میں تلمیحات کے طور پر استعمال ہوتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر بن باس اور لکشمن ریکھا، حضرت موسیٰؑ کے ذکر میں سامری کی تلمیح اقبال نے بار بار برتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں نمرود جس کا ذکر تفصیل سے آگے آرہا ہے، بے حد جاندار استعارے کے طور پر شعر و ادب کا حصہ بن چکا ہے۔ نمرود کے علاوہ آذر اور بتان آذری کی تلمیح بھی فارسی اردو شعر و ادب میں معروف رہی ہے۔ اس دور میں امام حسینؓ کے سفر کربلا اور ان کی شہادت کے واقعات بھی شعر و ادب میں بطور تلمیح استعمال ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں کوفہ، فرات اور کربلا کے استعاروں کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ حسین بن منصور الحلاج کا نام اور ان کا قتل بھی شعری سرمایہ میں بطور تلمیح کے استعمال ہوتا رہا ہے۔ ذیل میں نمرود کی تلمیح کے بعض اشعار نقل کیے جارہے ہیں تاکہ اس کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہوسکے۔ کفر و اسلام کے عنوان کی نظم میں جسے اقبال نے میر رضی دانش کے شعر پر تضمین کے طور پر لکھا ہے کہا ہے:

آتش نمرود ہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز ہوگیا آنکھوں سے پنہاں کیوں تیرا سوز کہن

اس نظم کا پہلا مصرع کچھ یوں ہے:

ایک دن اقبال نے پوچھا کلیم طور سے

اقبال کا دوسرا شعر بال جبریل میں ہے:

ہوں آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش میں بندۂ مومن ہوں نہیں دانۂ اسپند

اقبال کا تیسرا شعر زیادہ معروف ہے:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اور اس تلمیح کا یہ شعر:

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے   کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

اس ضمن میں غالب کے شعر کا ذکر بھی ضروری ہے:

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی   بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

ان اشعار سے نمرود کی تلمیح کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہو جائے گا، لیکن آخر یہ نمرود کون تھا؟ اس نے کیا کیا تھا؟ اور یہ نام ہمارے شعری سرمایہ میں کیونکر اتنے قوی استعارے کے طور پر موجود ہے۔

نمرود حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں بابل کی آشوری سلطنت کا جابر و ظالم اور مشرک بادشاہ اور حضرت ابراہیمؑ کی پیغمبرانہ دعوت کا شدید ترین مخالف تھا۔ قرآن و حدیث میں کسی جگہ اس کا ذکر نام کی صراحت کے ساتھ نہیں آیا۔ البتہ قرآن میں چند مقامات پر اس کا ذکر نام لیے بغیر کیا گیا ہے۔ ان میں سب سے اہم مقام سورۂ بقرہ میں ہے۔ آیت نمبر ۲۵۸ میں ارشاد ہے: "بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس غرور کے سبب سے کہ خدا نے اس کو سلطنت بخشی تھی، ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب ابراہیمؑ نے کہا میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ بولا زندگی اور موت تو میں ہی دیتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا میرا خدا سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال دکھا، یہ سُن کر کافر لاجواب ہو گیا..." کہا جاتا ہے کہ نمرود کوش کا بیٹا یا پوتا تھا۔ ابن کثیر نے اس کے دو نسب نامے دیے ہیں، جن میں سے ایک کنعان بن کوش بن سام بن نوح ہے۔ یعنی وہ نوحؑ کا پڑپوتا تھا۔ طبری نے مجاہد تابعی کے حوالے سے اسے دنیا کے چار بڑے حکمرانوں یعنی نمرود، ذوالقرنین، حضرت سلیمانؑ اور بخت نصر میں شامل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کا زمانۂ حکومت چار سو سال تک رہا۔ اس سے مراد اس کے پورے خاندان کی حکومت بھی ہو سکتی ہے۔ حضرت

ابراہیمؑ کے زمانے میں کلدانیوں کا سرکاری اور قومی مذہب نجوم پرستی تھا۔ نمرود خود کو سورج کا مظہر یا اوتار قرار دیتا تھا اور اہل توحید کو اپنا اور اپنے مذہب کا باغی اور منکر خیال کرتا تھا۔ دورِ حاضر کے بعض مفسرین میں مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم کے خیال میں نمرود کا نام دیوتائے اعظم NIM IB کے نام پر تھا اور وہ خود کو خدائی اختیارات کا حامل سمجھتا تھا۔

بائبل میں نمرود کا ذکر تین مقامات پر آیا ہے۔ دو مقامات پر اسے کوش کا بیٹا اور سورما شکاری کہا گیا ہے جب کہ تیسری جگہ آشور کو سرزمین نمرود کہا گیا ہے۔ بائبل میں کسی جگہ حضرت ابراہیم اور نمرود کے باہمی مباحثے یا مناظرے کا ذکر نہیں ملتا۔ نمرود کی زندگی کے واقعات میں منارِ بابل اور نمرود کی جنت کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن قرآنی واقعات اور داستانوں میں جو بھی ملتا ہے، اس سے یہ تو ظاہر ہے کہ نمرود انتہائی طاقت ور اور بڑا حکمراں تھا۔ بعض مسلمانوں نے PESHDODI سلسلے کے مشہور ایرانی حکمراں ضحاک اور بعض بابلی حکمراں MARDUK کو نمرود کا مصداق قرار دیا ہے۔

قوی اور بڑے حکمراں ہونے کے باوصف اور خدائی اختیارات کی دعویداری کے سبب نمرود یقینی طور پر اپنے عہد کی سب سے بڑی شخصیت رہی ہوگی۔ حضرت ابراہیم کی پیغمبرانہ دعوت کے سب سے بڑے مزاحم کے طور پر نمرود کو انتہائی مغرور اور دنیا پرست کے طور پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ ایک ہی وقت میں مقتدرِ اعلیٰ، مطلق العنان، مغرور، خود پسند اور خود پرست جابر و قاہر شخص کے روپ میں ہمارے سامنے ابھرتا ہے۔ ایسی طاقت کا مقابلہ وہی انسان کر سکتا ہے جو اللہ کی بڑائی بیان کرنے والا، اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور دنیا کو فانی اور بے حقیقت سمجھتا ہو اور پیغمبرانہ اوصاف سے متصف ہو۔ چنانچہ ہوا بھی وہی۔ نمرود کے غرور کو توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے انسان کو مبعوث کیا جو قرآنی الفاظ میں

حنیف پورا مومن اور پورا مسلم ہو جس نے تمام چیزوں سے اپنی توجہ ہٹا کر پورے طور پر اللہ ہی کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہو۔ جس نے یہ کہا کہ میرا جینا، میرا مرنا، میری قربانی، میری نماز سب اللہ ہی کے لیے ہے اور جس نے نمرود کی خدائی کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے مقابلے میں آگ میں جھونکا جانا پسند کیا اور جس کے لیے اللہ نے اس آگ کو گلزار بنا دیا۔ نمرود کا استعارہ دراصل حضرت ابراہیمؑ کی وحدانیت اور عظمت اور عزیمت کو پہچاننے کا پیمانہ ہے۔ نمرود کی تلمیح ابراہیم کی ANTIT-HESIS کے طور پر بھی دیکھا جا سکتا ہے، یہ حق اور باطل، غرور و فروتنی، نخوت و عزیمت کے باہمی استعارے شعر و ادب میں اپنا مقام متعین کر چکے ہیں۔ آتش نمرود اور نمرود کے استعارے قدیم دور میں خال خال لیکن اس دور میں اقبال کے یہاں زیادہ نظر آتے ہیں۔ اقبال کو مغرب کی استعماریت میں وہی غرور و تکبر نظر آیا جو ابراہیم کے دور میں نمرود سے عبارت تھا۔ چنانچہ جب انہوں نے کہا ع " آگ ہے، اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے "، تو انہوں نے اس قرآنی تلمیح کو ہمیشہ کے لیے ایک زندہ اور محرک استعارہ بنا دیا۔ یعنی نمرود ختم نہیں ہوگیا بلکہ وہ ہمیشہ سر اٹھاتا رہے گا۔ حق کے علمبرداروں کو اپنے موقف سے ہٹانے اور دور رکھنے میں آتش نمرود کبھی نہیں بلکہ ہنوز موجود ہے اور ابراہیمؑ تو نہیں ہیں لیکن ان کی میراث باقی ہے۔

معارف کی ڈاک

(۱)

ندوۃ العلماء لکھنؤ

التاریخ: ۲۲/۸/۱۴۱۹ھ

۱۲؍ دسمبر ۹۸ء

محب فاضل و مکرم جناب مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب زادہ اللہ توفیقاً و نشاطاً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ! خطوط کے ایک بڑے انبار میں سے جو کئی ہفتے سے جمع ہو رہا تھا، آپ کا ۲۵؍ نومبر کا لکھا ہوا عنایت نامہ مطالعہ میں آیا۔

آپ نے چھاپہ پر جس تاثر کا اظہار کیا ہے وہ توقع کے عین مطابق ہے، اس واقعہ پر ہندوستان اور ہندوستان کے باہر جو ردعمل ہوا ہے، اس کی نظیر ماضی بعید تک ملنی مشکل ہے۔

آپ سے ملنے کا اشتیاق ہے، خدا کرے آپ لکھنؤ یا رائے بریلی میں ملنے کا وقت نکال سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت و نشاط و صحت کے ساتھ رکھے۔

والسلام

دعاگو و طالب دعا

ابوالحسن علی ندوی

(۲)

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان

۲۳؍ دسمبر ۹۸ء

جناب محترم و مکرم السلام علیکم! آپ کا تعزیت نامہ موصول ہوا۔ محترم حکیم محمد سعید کی شہادت کے

معارف جنوری ۱۹۹۹ء ۷۲

سلسلے میں آپ نے جس دردمندی، افسوس اور صدمے کا اظہار فرمایا ہے اس سے ہماری ڈھارس بندھی ہے کہ اس عظیم غم میں ہمارے ساتھ آپ بھی شریک ہیں۔ آپ کے اس جذبۂ ہمدردی اور محبت کے لیے ہم آپ کے بے حد شکرگزار ہیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

حکیم صاحب کی مغفرت کی دعا کے ساتھ یہ دعا بھی فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے منصوبوں اور مشن کو جاری و ساری رکھنے کی ہمیں توفیق اور ہمت عطا فرمائے، اور ادارۂ ہمدرد کا تناور درخت جسے انھوں نے اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے ہمیشہ شاداب رہے۔ ایک بار پھر شکریہ۔ آپ کا خط "ہمدرد صحت" شمارہ دسمبر ۹۸ء میں بھی شامل کیا جارہا ہے۔ احترامات

خاکسار

مسعود احمد برکاتی

سینیئر ڈائریکٹر پبلی کیشنز ہمدرد

(۳)

البدر اکیڈمی (نرسری تا میٹرک)

خالد مارکیٹ بنگھوئی (جہلم)

مخلص مکرم جناب ضیاء الدین اصلاحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ:

آپ کا خط ملا ہے۔ خط و کتابت کے التواء کا مجھے افسوس ہے۔ درحقیقت یہاں کچھ بے ہنگم سی مصروفیات کل اور کل کا معاملہ پیدا کردیتی ہیں۔ جہاں تک آپ کی یاد کا تعلق ہے وہ انشاء اللہ تاحیات ساتھ رہے گی۔ معارف باقاعدگی سے ملتا ہے، آپ کے شذرات بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ الحمدللہ معارف کا معیار قائم ہے۔ یہ صرف اور صرف دارالمصنفین کے اخلاص کا نتیجہ ہے۔

میری یہ خواہش ہے کہ معارف میں تفسیر قرآن کی بھی گنجایش نکالی جائے، ایسی تفسیر جو علم و نظر کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہو، دوسرے الفاظ میں روح و مادہ دونوں پوری تحقیق کے بعد سامنے آئیں۔ معارف کا اخبار علمیہ بھی قابلِ ستایش ہے۔

میری یہ کوشش ہے کہ ادارہ البدر علوم جدید و قدیم کا حسین سنگم ہو۔ اس سلسلے میں ازراہ کرم مجھے راہنمائی فرمادیا کریں۔ اللہ کریم آپ کے حافظ و ناصر ہوں۔

مخلص گلزار احمد

(۴)

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

۱۸؍۱۲؍۹۸ء

گرامی قدر جناب اصلاحی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ راقم نے آپ کے موقر مجلہ کی فائل سے ایم۔ اے کرنے کے زمانے سے لے کر اب تک پچھلے پچیس سال مکمل استفادہ کیا۔ آپ کا مجلہ بلاشبہ بین الاقوامی معیار اور شہرت کا حامل ہے اور اس میں چھپنے والے آرٹیکل ہمیشہ محققین کی دلچسپی کا باعث رہے ہیں۔ آپ کے ہاں تاریخ سائنس پر بہت مضامین طبع ہوتے رہے، میں نے بھی اس موضوع پر کچھ کام کیا ہے۔ اپنی ایک تالیف آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ نیز عیون الانباء پر ایک مقالہ بھی پیش خدمت ہے۔

والسلام

مخلص محمد طفیل ہاشمی

ڈین فیکلٹی آف عربک اینڈ اسلامک سٹڈیز

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(۵)

مہاراج نگر، لکھیم پور کھیری

مکرمی! تسلیم!

نومبر کا معارف ۲۳ر نومبر کو ملا۔ شکریہ! جوئے مولیان ۔ تاریخی جائزہ ۔ گو جلدی میں لکھا گیا ہے مگر بہت خوب ہے۔ میں بھی "جوئے مولیان" کو مولیان کی ندی یا شہر سمجھتا تھا کہ مولیان کوئی شہر ہوگا، وہاں کوئی ندی بہتی ہوگی اس لیے اس کا نام جوئے مولیان رکھدیا ہوگا۔ پروفیسر صاحب کے مضمون نے سمند تحقیق پر تازیانہ لگادیا۔ میں نے میدان لغات کی پیمودی شروع کردی اور بہ مصداق جوئندہ یابندہ موید الفضلا میں ایک لفظ مل گیا۔ وہ لفظ تھا "جو"۔ اس کے معنی لکھے تھے "شہر لیت" یعنی ایک شہر ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جیسا پروفیسر صاحب نے لکھا ہے (بہ حوالہ چہار مقالہ) یہ پہلے کوئی میدان وغیرہ ہوگا۔ اس کو امیر اسمٰعیل نے خرید کر اپنے موالیوں کو دے دیا ہوگا اور آہستہ آہستہ شہر آباد ہو گیا ہوگا۔ مقالہ بہت عمدہ ہے!

"علامہ شبلی کا نظریۂ تاریخ" بھی خوب ہے۔" ابو نواس بھی اچھا ہے مگر کچھ عربی اشعار کے معنی نہیں لکھے ہیں، محترمہ رضوانہ معین کی تالیفی تحریر پسند آئی۔

"وفیات" دیکھ کر اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔ اس سلسلہ میں مجھے اپنا ایک شعر یاد آگیا تھا ۔

کدھر بھٹکا ہوا جاتا ہے انساں کون دیکھے گا جو روکیں اور سمجھائیں وہی گم ہوتے جاتے ہیں

مطبوعات جدیدہ پر تبصرے خوب ہیں، لیکن مختصر ہیں[1]۔ ہاں آپ نے "ادبیات" کا صفحہ کیوں ختم کر دیا[2]۔ اسے براہ کرم جاری رکھیے۔

والسلام - خادم: عزمی خیر آبادی

[1] مطبوعات کے کالم میں معارف کے تبصرے ہمیشہ مختصر ہی ہوتے ہیں۔ "ض" [2] گنجائش نہ ہونے کی بنا پر۔

ادبیات

نعت

حدیثِ غم

از جناب رئیس نعمانی، علی گڑھ

یونہی کب تک الٰہی، دل کی امیدوں کا خوں ہوگا
کسی دن تو مداوائے الم ہائے دروں ہوگا

کبھی تو اضطرابِ شوق ہوگا کامگار آخر
سوادِ دستِ طیبہ اور مرا پائے جنوں ہوگا

پڑھوں گا نعت جاکر روبروئے روضۂ سرورؐ
دلِ شوریدہ کو حاصل اسی در پر سکوں ہوگا

فضا میں زیر و بم پیدا کریں گے غمزدہ نغمے
نہ کوئی بانسری ہوگی نہ کوئی ارغنوں ہوگا

لبوں پر نعت اشک آنکھوں میں دل سرشار کیفیت
بہت ہی دور مجھ سے اس جہاں کا ہر فسوں ہوگا

سناؤں گا حدیثِ غم انہیںؐ اول سے آخر تک
بلا سے چشم گریاں سے رواں سیلاب خوں ہوگا

گزرتی ہے جو ہندوستان میں ایمان والوں پر
بیاں کرتے ہوئے انؐ سے کوئی ڈر مجھکو کیوں ہوگا

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ انؐ کا ماننے والا
ہٹے گا جو بھی ان کی راہ سے خوار و زبوں ہوگا

ہے فرمانِ الٰہی "انتم الاعلون" قرآں میں
بھلا "مومن" بھی دنیا میں کبھی یوں سرنگوں ہوگا

رئیسؔ انؐ کی اطاعت ہی مدارِ کامیابی ہے
وگرنہ حرف بے معنی ہے، یوں ہوگا تو یوں ہوگا

صابی

از جناب عرفی آفاقی، لکھنؤ۔

کیا ہے متاعِ وہم پہ اس درجہ مفتخر
بو جہل ایک علم کا دفتر کہیں جسے

چشمک سے ہے خود اپنے ستارے کی بے خبر
گوہر فروشِ غمزۂ اختر کہیں جسے

روشن ہے قلبِ مومن اک ایسے خیال سے / پیشانیِ حیات کا جھومر کہیں جسے
فکرِ خلیلؑ ہو نہ میسر تو یہ نگاہ / ہے وہ صنم تراش کہ آزر کہیں جسے
کیا دیکھئے جو دیدۂ باطن ہی کور ہو / آئینہ کیوں ہو سینہ وہ پتھر کہیں جسے

غزل

از جناب وارث ریاضی صاحب، مغربی چمپارن۔

محفلِ انجم ہو یا فصلِ بہارِ کائنات / جز خدائے واحد و قیوم کس کو ہے ثبات
پُرخطر اس دور میں ہر موڑ پر ہے زندگی / دشت و دریا، گلستاں ہر سو ہجوم حادثات
بدگمانی، الجھنیں، آہ و فغاں رسوائیاں / ہر قدم پر عشق کی راہوں میں حایل مشکلات
عمر بھر ہر بے وفا کو باوفا سمجھا کیا / شاخِ آہو پر سجا کے آرزوؤں کی برات
وہ شہنشاہ جہاں ہو یا فقیر بے نوا / زندگی کی تلخیوں سے کس نے پائی ہے نجات
پُرسکوں دنیا تھی یہ جب بے ہنر تھا آدمی / باہنر ہے آدمی برہم ہے نظمِ کائنات
مہرباں، نامہرباں جو بھی کہو اس کو مگر / وہ بہار آرزو ہے حاصل بزمِ حیات
جانے کیوں رونے لگا وہ سن کے میری داستاں / تھی بہت پُرسوز شاید میرے دردِ دل کی بات
جستجوئے منزلِ مقصود ہے ہر دم انہیں / عشق والوں کے جہانِ شوق میں دن ہے نہ رات
تھا سرابِ زندگی پر آبِ حیواں کا گماں / زہر کے ساغر کو ہم سمجھا کیے جامِ حیات
دولتِ ایمانِ محکم، مدحتِ خیر البشر / ہیں یہی میرے لیے الباقیات الصالحات
رونقِ گل، چاند تاروں کی ضیا، نورِ سحر / سب کے سب ان کے تبسم ہائے پنہاں کی زکوٰۃ

الاماں صد الاماں وارث مسلمانی تری
ہے زباں پر عظمتِ اسلام دل میں سومنات

مطبوعات جدیدہ

اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ از جناب زیب النساء، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۲۷۱، قیمت ۳۴۰ روپے، پتہ: اقبال اکادمی، میکلوڈ روڈ، لاہور، پاکستان۔

علامہ اقبال کی شاعری کے مطالعہ و تجزیہ کے ساتھ ان کی اردو نثر نگاری بھی اقبالیات کے شیدائیوں کا محبوب موضوعِ تحقیق ہے۔ زیر نظر کتاب بھی ایسی ہی کاوش کا نتیجہ ہے جس میں علامہ مرحوم کی قریباً تمام نثری تحریروں کا جائزہ لیا گیا ہے، مصنفہ کو اس کا احساس ہے کہ علامہ کی نثر کی اہمیت ضمنی ہے تاہم یہ بھی نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں ہے، اس لیے انہوں نے علامہ کی کتابوں، مقالات و مضامین اور خطوط کا مفصل جائزہ لیا ہے، علم الاقتصاد اور تاریخ تصوف کے متعلق ان کے مضامین سے ان کی محنت و سلیقہ اور وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے، اسی طرح الگ الگ ابواب میں مضامین و خطوط پر بھی خوبی سے اظہار خیال کیا گیا ہے، بعض نگارشات اقبال جو کئی بار طبع ہوئی ہیں، ان کی مختلف طباعتوں کا تقابلی مطالعہ کرکے ان کے متون کے فرق کو واضح کیا گیا ہے اور یہ اس کتاب کی بڑی خوبی ہے جس سے اس کی افادیت و وقعت دوچند ہوگئی ہے، کتاب کا حسنِ ظاہر اکادمی کی روایات کے عین مطابق ہے۔

شعرائے بدایوں دربارِ رسولؐ میں از جناب ڈاکٹر شمس بدایونی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و کتابت و طباعت، خوبصورت سرورق، صفحات ۱۹۲، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: ڈاکٹر شمس بدایونی، ۳، پھول والان بریلی اور محمد عبدالستار

اے ۷۴۵/۱۱-بی نارتھ کراچی، پاکستان۔

قریب دس سال پہلے شایع شدہ کتاب کا یہ جدید پاکستانی ایڈیشن ہے۔ اس مبارک کاوش کو دینی و ادبی حلقوں میں بڑی قدر و پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا، اب طبع نو میں قریب تیس مزید شعرا کے حالات آگئے ہیں جس سے اس کی حیثیت و اہمیت اور بڑھ گئی ہے، فاضل محقق ایک عرصہ سے اپنے وطن بدایوں کی علمی و مذہبی تاریخ کو اپنا خاص موضوع بنائے ہوئے ہیں، اس کتاب میں انہوں نے ایسے بدایونی شعراء کے تذکرہ و کلام کو تلاش و جمع کرنے کا التزام کیا جن کا گلستان سخن خاص طور پر نعت و مدح نبوی ﷺ کے پھولوں سے رنگین و مشکبار ہے، ایسے پچھتر شعراء کو دو حصوں یعنی ماقبل عہد جدید و عہد جدید میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان کے سوانح اور نمونہ کلام سے فاضل محقق کی محنت و کاوش اور سلیقۂ ترتیب و تالیف کا اندازہ ہوتا ہے، یہ تذکرہ بدایوں کے ادبی و معاشرتی ماحول کا عکاس اور اردو نعت نگاری کی ایک دستاویز ہے جس میں ضیاء القادری اور لطف بدایونی سے شکیل بدایونی اور موجودہ دور کے متعدد نعت گو شعرا کا ذکر آگیا ہے، ضیاء القادری کے متعلق ایک اہم محقق کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "بلحاظ کمیت ان سے بڑا نعت گو اردو تو درکنار کسی اور زبان میں بھی مشکل سے ہوا ہوگا" اور یہ علم کم لوگوں کو ہوگا کہ

رخ مصطفے ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ :: نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

جناب لطف بدایونی کی تراوش فکر کا نتیجہ ہے، فاضل مولف کا اسلوب شائستہ و شگفتہ ہے، کتابیات و اشاریے کا اہتمام کیا گیا ہے، البتہ محشر کے ذکر میں یہ جملہ کھٹکتا ہے کہ "۱۹۴۵ء میں ان کی ازدواجی زندگی کا سلسلہ شروع ہوا"۔

تصوف اور مشائخ خانقاہ رشیدیہ از جناب ڈاکٹر ڈی۔این

چترویدی زاہد، متوسط تقطیع کاغذ و کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۵۲، قیمت ۲۰ روپے
پتہ: خانقاہ رشیدیہ۔ جونپور۔ یوپی۔

شیراز ہند جونپور کی ممتاز خانقاہ رشیدیہ مشہور بزرگ دیوان حضرت محمد رشید سے منسوب ہے جن کو مختلف سلاسل سے نسبت و اجازت حاصل تھی اور ان کے بعد بھی دیار شرق میں ان کے خلفا اور ان کے سلسلہ کے دوسرے مشائخ کی تبلیغی و اصلاحی کوششیں جاری رہیں، جن میں حضرت آسی سکندر پوری کی ذات بابرکات بڑی نمایاں ہے، زیر نظر کتاب کے مصنف بلیا کے ایک کالج کے شعبۂ ہندی کے صدر ہیں لیکن تصوف اور مشائخ سے ربط و عقیدت کی برکت سے ان سے اردو میں بڑا کام لیا، اس سے پہلے انہوں نے "تجلیات آسی" شایع کر کے تحسین و ستایش حاصل کی تھی، اب انہوں نے زیر نظر کتاب کو محنت سے مرتب کر کے ایک بڑا لائق تعریف کام انجام دیا ہے، اس میں صاحب تذکرہ اور ہندوستان کے مختلف سلاسل کی تاریخ کو جامعیت سے پیش کیا گیا ہے، ابتدائی صفحات میں تصوف کے متعلق ان کی تحریر بڑی متوازن اور پڑھنے کے لائق ہے، مشائخ رشیدیہ کے فارسی، اردو اور ہندی زبان و ادب سے تعلق کی بحث بھی دلچسپ ہے، چند ضمیموں کی شکل میں بعض مشائخ کا کلام بھی دیا گیا ہے، شائقین تصوف کے لیے ایک غیر مسلم صوفی صفت اہل قلم کا اس سے بہتر تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

ایران نامہ از جناب حکیم سید ظل الرحمن، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت مجلد خوبصورت گرد پوش، صفحات ۲۰۲، قیمت ۹۰ روپے، پتہ: تجارہ ہاؤس، دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲۔

۱۹۹۵ء میں طب اور فارسی زبان کے چند ہندوستانی ماہرین کا ایک وفد جناب

حکیم عبدالحمید دہلوی کی سربراہی میں ایران گیا تھا مقصد یہ تھا کہ ایران میں طب یونانی کے فروغ و اشاعت کے امکانات کا جائزہ لیا جائے جناب حکیم ظل الرحمن ندوی بھی اس وفد کے ایک موقر رکن تھے نصف ماہ کی اس سیاحت میں انہوں نے علم و دانش اور حکمت کی اس سرزمین کے قدیم و جدید آثار و واقعات کا دلچسپی اور گہرائی سے مشاہدہ کیا، تہران، مشہد، نیشاپور، اصفہان، طوس اور شیراز جیسے مقامات پر مساجد اور آستانوں کے علاوہ حافظ و سعدی اور عطار و خیام کی کشش ہی کیا کم تھی، وہاں کے موجودہ علمی و تحقیقی مراکز نے ان کے دامن قلب و نظر کو بار بار کھینچا، حکیم صاحب نے ان مشاہدات کو اس طرح قلم بند کیا ہے کہ پڑھنے والا خود کو اس گلگشت دانش کی سیر میں برابر کا شریک پاتا ہے اور یہی اس سفرنامہ کی خوبی و کامیابی ہے۔

سمرقند و بخارا اور اس کی بازیافت از جناب مولانا سید محمد رابع ندوی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۸۰، قیمت ۳۵ روپے، پتہ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹، لکھنؤ۔ یو۔ پی۔

چند سال قبل امام بخاریؒ کی یاد میں سمرقند میں ایک سمینار ہوا تھا، اس میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ان کے بعض رفقا اور دوسرے علما بھی شریک ہوئے تھے، اس کی مفصل اور پُر از معلومات روداد فاضل گرامی جناب مولانا سید محمد رابع ندوی کے قلم سے اسی وقت شایع ہوئی تھی جس پر معارف میں تبصرہ ہوچکا ہے، اب اس کا یہ جدید اڈیشن چند اور اضافوں کے ساتھ شایع ہوا ہے۔

سن اے کاتب از جناب جابر حسین، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ، کتابت و طباعت، صفحات ۱۶۸، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: اردو مرکز، ۴۴ ایم آئی جی، لوہیا نگر، پٹنہ، بہار۔ ۲۰۔

بہار قانون ساز کونسل کے چیرمین جناب جابر حسین ایک ممتاز، مخلص اور دردمند سیاستداں کی حیثیت سے معروف ہیں، بہار میں اردو کو اسکا جائز حق دلانے میں انکی مساعی اظہر من الشمس ہیں، وہ ایک اچھے اہل قلم بھی ہیں جو بڑی اچھی کہانیاں لکھتے ہیں جن کی اصل خوبی انکی سچائی، سادگی اور اختتامیہ کی تاثیر ہے، ضدوں سے بہار سماجی مد و جزر کا عکس اور طبقاتی نظام کی چیرہ دستیوں کا بہترین مظہر ہے اس پس منظر میں انکی کہانیوں کی تلخی اور سوا ہوجاتی ہے لایعنی اور بے مقصد افسانوں اور کم کہانیوں کے طومار میں یہ با مقصد کہانیاں اپنا جدا شناخت کا احساس دلاتی ہیں۔

ع۔ ص۔